محافظانِ سندھ:

دھرتی کے ہیرو اور ہیروئنز

رک سندھی

کراچی سندھ 2025

پیش لفظ

1. رانی دہشلا: سندھ کی بہادر خاتون حکمران
2. راجا جئدرت: سندھ کی سلطنت کا مہا بھارتا جوگی
3. راجا سونیہ: قدیم سندھ کا فیاض حکمران
4. برہما گپت: قدیم سندھ وادی کا ریاضی دان اور ماہرِ فلکیات
5. چانکیہ کی سیاسی فکر کا تجزیہ: ارتھ شاستر کی روشنی میں
6. راجا سامبس — سندھ کا بھلایا ہوا سورما
7. راجا پورس: سندھ وادی کا ایک بہادر حکمران
8. راجا رائے سہارس دوم: سندھ کے لیے جان قربان کرنے والا پہلا حکمران
9. پانی نی: سنسکرت گرامر کا بانی

10. راجا چچ: سندھ میں برہمن حکومت کا بانی
11. راٹي سونہن دیوی: سندھ کو خارجی حملوں سے محفوظ رکھنے والی مدافع
12. راجا اگہم کی مزاحمت: سندھ کی سیاسی تبدیلی کا ایک تاریخی موڑ
13. راجا داہر: سندھ کا آخری برہمن حکمران
14. چھٹو آمراٹي: ایک تاریخی اور صوفیانہ جائزہ
15. شاہ عنایت شہید: سندھ میں اشتراکی زراعت اور انقلابی صوفی تحریک
16. سوڈھو کرنہجی: تھرپارکر کی بغاوت کا مہندار
17. ہوش محمد شیدی: تالپور عہد کا قومی ہیرو اور جنرل
18. شاہ بہارو: کَلہوڑا دور کا وفادار سپہ سالار
19. بودلو سمیجو: مغل سلطنت کے خلاف سندھ کی قبائلی مزاحمت کا علمبردار
20. سمعہ بن دیوائج: دیبل کا محافظ اور سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا پہلا باب
21. سائینداد کلمتي: سندھ کا ایک بہادر محافظ
22. مائی چامان: سندھ کی فیاض، دیندار اور سماجی شعور رکھنے والی خاتون
23. رٹمل جاڑیجو: سومرا دور میں کَچھ کی مزاحمت کا ایک سورما
24. راٹو رتن سنگھ سوڍو: تھر کی مزاحمتی وراثت کا تاریخی جائزہ

25. مخدوم بلاول: سندھ کی مزاحمتی روح کا علامتی شہید
26. سریمڻ خان چانڈیو: سمن سلطنت کے دور کا قبائلی سپہ سالار اور وطن دوست رہنما
27. ملک مائی چاگلی: اٹھارہویں صدی کی سندھی خاتون حکمران کا تاریخی جائزہ
28. جام نظام الدین سمو (جام نندو): سندھ کی سما سلطنت کا آخری حکمران
29. جام کارایرو: سندھ اور کَچھ کا سماجی باغی
30. جام اوڍر سمو: سندھ کا وفادار ساتھی
31. جام بجار خان جوکیو: کلہوڑا دور کا بہادر سپاہی
32. دولہہ دریاء خان: سندھ کا بے مثال سپہ سالار
33. میرو فقیر نظامانی: حر تحریک کا جری کردار
34. روپلو کولہی؛ وطن کے لیے جان قربان کرنے والا ایک جری سپہ سالار
35. تاجو ليکي: کلھوڑا دور کا اہم تاریخی کردار
36. جام چینو: ایک تاریخی جائزہ
37. میان آدم شاہ کلہوڑو: ایک تاریخی جائزہ
38. ڏگاٹو جتوئی: ایک تاریخی تجزیہ
39. طالب سمیجو: ایک تاریخی جائزہ
40. جام راول: ایک تاریخی تجزیہ
41. لاکو پھلاٹي: ظالمانہ قوتوں کے خلاف گوریلا مزاحمت کرنے والا سورما

42. دودو سومرو: سندھ کی مزاحمت اور شناخت کی علامت
43. بڈامانی پنرو: سندھ کی تاریخ کا ایک بہادر کردار
44. ابڑو اڑبنگ: سندھو دھرتی کا ایک تاریخی کردار
45. تارا بائی: سندھ کی بیٹی، تخت کی محافظ
46. کویل: دودو سومرو کی بیٹی، وطن کے لیے قربانی اور فخر کی علامت
47. ابوالفضل: مغل دربار کا فکری گوہر اور سندھ کے علمی ورثے سے اس کا تعلق
48. جام بابینو: سندھ کی سیاسی مزاحمت کا علمبردار
49. بچو بادشاہ: پہلی حُر تحریک کا ہیرو
50. باگو فقیر: کلہوڑوں کے دور کا بہادر سپاہی
51. فیروز فقیر ویرڑ: سندھ کی آزادی کی جدوجہد کا بہادر رہنما
52. میاں دین محمد کلہوڑو: سندھ کی قومی جدوجہد کا ایک نمایاں رہنما
53. میاں نصیر محمد کلہوڑو: سندھ کی قومی جدوجہد کے ایک اہم رہنما
54. لاکو اُنڑ: سندھ کے حریت پسند سورما کا تاریخی جائزہ
55. طالب اُنڑ: سندھ کی مزاحمت کا بہادر سالار
56. پریو اُنڑ: سندھ کی مزاحمت کا محبِ وطن رہنما

57. یوسف سمیجو: سندھ کی آزادی کا دلیر سورما
58. جھونجھار شورو: سندھ کی آزادی کا شہید سورما
59. اسماعیل شورو: سندھی قومی مزاحمت کا بہادر سالار
60. دائود شورو: سندھ کی آزادی کا عزم رکھنے والا سورما
61. میر پنہور کی شہادت: سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا ناقابلِ فراموش باب
62. قاسم باریجو: سندھ کی مزاحمتی وراثت کا شہید
63. ناتالو نوحاٹي: سندھ کا ہوشیار سپاہی
64. توتان نوحاٹي: سندھ کی آزادی کی جدوجہد کا ایک بہادر ہیرو
65. موندر خان چانڈیو: سندھ کی مغلیہ مزاحمت کا ایک ہیرو
66. مناھین دَل: سندھ کی آزادی کا بھولا بسرا سورما
67. جام کھنگھار کی جدوجہد: خط، عسکری حکمت عملی اور گوریلا جنگ کی ارتقا
68. جام صلاح الدین: سندھ کا بھلایا ہوا قومی رہنما
69. باگھل بائی: سندھ کی سورمیت اور قومی شعور کی علامت
70. راجو لیکی: کلہوڑا سلطنت کا وفادار سپہ سالار

71. جام راہو: سندھ کے فیاض حکمران کا تاریخی جائزہ
72. جادم جکرو: سما خاندان کا سخی حکمران
73. حاجی جوکھیو: سندھ کی آزادی کی جدوجہد کا ایک رہنما
74. مرید جت: سندھ کی غیرت کی تاریخی علامت
75. جام ہیبت خان: سندھ کی آزادی کی جدوجہد کا ایک بہادر رہنما
76. شہید پیر صبغت اللہ شاہ راشدی: برطانوی نوآبادیاتی راج کے خلاف مسلح جدوجہد
77. ہیمو کالانی: برطانوی ہندوستان میں نوجوان مزاحمت اور انقلابی قربانی
78. مائی بختاور شہید: سندھ کی کسان تحریک کی پہلی خاتون شہید

پیش لفظ

سندھ—جو انسانی تہذیب کے قدیم ترین مراکز میں شمار ہوتا ہے—آج بھی اپنی مٹی سے مزاحمت، محبت اور قربانی کی خوشبو بکھیرتا ہے۔ یہ کتاب ”محافظانِ سندھ: دھرتی کے ہیرو اور ہیروئنز“ اُن شخصیات کی علمی سوانح کا مجموعہ ہے جن کے نام تاریخ نے خاموشی سے نظرانداز کیے، مگر جن کے عمل نے اس دھرتی کی تقدیر رقم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

یہ تصنیف سو سے زائد ایسے مرد و خواتین کے کرداروں پر روشنی ڈالتی ہے جنہوں نے سندھ کی آزادی، وقار اور تعمیر کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ یہ اُن دلیر آوازوں کا جواب ہے جو ظلم کے سامنے نہ جھکیں، تخت و تاج کی چمک کو رد کیا، اور دھرتی کے دل پر اپنا نام رقم کر گئے۔

تاریخ کی گرد میں دفن سچائی

روایتی تاریخ نویسی—خصوصاً وہ جو حملہ آوروں کے درباروں کی خوشامد پر مبنی رہی—نے سندھ کے مجاہدوں کو "چور"، "ڈاکو" یا "باغی" قرار دیا۔ یہ کتاب ایسے بیانیے کی علمی تردید ہے۔ یہ

تصنیف اُس گرد کو ہٹاتی ہے جو تعصب کی بنیاد پر سچائی کے چہرے پر ڈال دی گئی تھی۔ یہ اعلان کرتی ہے کہ جنہوں نے غیر ملکی جارحیت کے خلاف جنگ کی، جنہوں نے آزادی کے لیے خون بہایا، وہ ڈاکو نہیں بلکہ آزادی کے اصل ہیرو تھے—جن کی جدوجہد کو تاریخ کے انصاف کے ترازو پر پرکھنا لازم ہے۔

صنف، شعور اور سندھی شناخت

یہ کتاب صرف مرد مجاہدوں پر نہیں، بلکہ سندھ کی بہادر خواتین پر بھی روشنی ڈالتی ہے—اُن خواتین پر جنہوں نے مزاحمت کے میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ بلکہ بعض اوقات اُن سے بڑھ کر کردار ادا کیا۔ یہ صنفی مساوات کے اُس شعور کو اجاگر کرتی ہے جو اکثر روایتی تاریخی بیانیے سے غائب رہا ہے۔ سندھی شناخت کی تشکیل میں خواتین کے کردار کو تسلیم کرنا تاریخی انصاف کی جانب ایک اہم قدم ہے۔

فکری تناظر اور مؤرخانہ ذمہ داری

یہ کتاب محض سوانحی مجموعہ نہیں، بلکہ ایک مؤرخانہ بیانیہ ہے جو سندھ کی تاریخ کو نئی آنکھ سے دیکھنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ اُس مؤرخ کی آواز ہے جو شخصیات کی پرستش کے بجائے اُن کے اعمال کے تجزیے پر یقین رکھتا ہے؛ جو جذباتی وابستگی کے ساتھ علمی دیانتداری کا علمبردار ہے؛ اور جو تاریخ کو صرف ماضی کی روداد نہیں بلکہ حال کے شعور اور مستقبل کی تعمیر کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

رک سندھی

رانی دہشلا: سندھ کی بہادر خاتون حکمران

خلاصہ

رانی دہشلا سندھ کی اُن نایاب خواتین حکمرانوں میں شامل تھیں جنہوں نے اپنی سیاسی دانش، بہادری اور حکومتی صلاحیتوں کے ذریعے نہ صرف امن قائم رکھا بلکہ علم و تہذیب کو بھی فروغ دیا۔ ان کا تعلق **کورو خاندان** سے تھا، اور وہ راجہ دریو دھن کی بہن اور راجہ جے درتھ کی

اہلیہ تھیں۔ سندھ پر ان کی حکومت بیس سال تک قائم رہی، جس دوران تعلیم، سماجی ترقی اور امن و امان میں نمایاں پیش رفت ہوئی (Sharma, 2002)۔

تعارف

تاریخ میں خواتین کی حکمرانی نایاب رہی ہے، تاہم سندھ کی تاریخ میں چند ایسی دلیر رانیاں بھی ملتی ہیں جنہوں نے اپنے عزم اور حکمت عملی کے ذریعے بڑا نام پیدا کیا۔ انہی میں سے ایک **رانی دہشلا** ہیں جنہوں نے سندھ کی سیاسی، سماجی اور علمی تاریخ میں ایک نیا باب رقم کیا (Qureshi, 2015)۔

تاریخی پس منظر

رانی دہشلا کا ذکر *مہابھارت* سے جڑا ہوا ہے۔ وہ کورو خاندان کے حکمران راجہ دریو دھن کی بہن اور راجہ جے درتھ کی اہلیہ تھیں۔ راجہ دریو دھن نے ان کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے انہیں سندھ بھیجا تاکہ یہاں کے انتظامی امور کو سنبھال سکیں (Desai, 1998)۔

سندھ میں دہشلا نے اپنا تخت گاہ اُچ اور ملتان کے درمیان قائم کیا، جو بعد میں *اسکلندہ* کے نام سے مشہور ہوا۔ آج بھی اس کے آثار **گاؤں ٹھٹ گھلوان، تحصیل شجاع آباد** میں موجود ہیں (Ali, 2010)۔

تعلیمی خدمات

دہشلا نے سندھ آ کر محسوس کیا کہ یہاں تعلیم کی کمی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی کو خط لکھ کر **30 ہزار برہمن** منگوائے، جو تعلیم کے فروغ کے لیے سندھ آئے۔ ان کی آمد سے سندھ میں علم و دانش کو نئی زندگی ملی (Sharma, 2002)۔

بہادری اور سیاسی کردار

سکندر اعظم کی سندھ پر یلغار کے وقت دہشلا نے ایک بار پھر اپنے بھائی کے ذریعے **30 ہزار برہمن** بلائے، جنہوں نے سکندر کی فوج کا مقابلہ کیا۔ یہ واقعہ رانی کی بہادری اور حکمت عملی کو نمایاں کرتا ہے (Qureshi, 2015)۔

اسی طرح میدن اور جت قبائل کے تنازعات میں بھی رانی دہشلا نے بہترین ثالثی اور حکومتی کردار ادا کرتے ہوئے سندھ میں امن قائم رکھا (Ali, 2010)۔

ورثہ اور اہمیت

رانی دہشلا نے تقریباً بیس سال تک سندھ پر حکومت کی۔ ان کی حکمرانی نے نہ صرف سیاسی استحکام فراہم کیا بلکہ سماجی اور تعلیمی ترقی کے دروازے بھی کھولے۔ ان کا نام سندھ کی تاریخ میں ایک ایسی بہادر ملکہ کے طور پر زندہ ہے جس نے جنگ و سیاست کے ساتھ

علم و حکمت کو بھی اہمیت دی (Desai, 1998)۔

نتیجہ

رانی دہشلا سندھ کی تاریخ کی ایک نایاب خاتون حکمران تھیں جنہوں نے معاشرے کو علم و تعلیم دیا، امن قائم رکھا اور بہادری کے ساتھ وطن کا دفاع کیا۔ ان کی حکمرانی خواتین کی سیاسی و انتظامی صلاحیتوں کی ایک روشن مثال ہے، جو آج کے دور میں بھی اپنی اہمیت رکھتی ہے۔

References

- Ali, K. (2010). *History of Sindh*. Karachi: Sindh University Press.
- Desai, P. (1998). *Women in ancient India*. New Delhi: Heritage Publishers.
- Qureshi, I. H. (2015). *Sindh through the ages*. Hyderabad: Mehran Publications.
- Sharma, R. (2002). *Mahabharata and its historical context*. Delhi: Aryan Books.

راجا جئدرت: سندھ کی سلطنت کا مہا بھارتا جوگی

راجا جئدرت سندھ کی تاریخ میں ایک نمایاں شخصیت ہے، جس کا ذکر نہ صرف مقامی روایات میں بلکہ ہندو رزمیہ کتاب *مہا بھارت* میں بھی ملتا ہے۔ اس کے دورِ حکومت میں سندھ کی سرحدیں شمال میں سلیمان کے پہاڑوں سے لے کر جنوب میں سورت بندر، مغرب میں مکران اور مشرق میں کشمیر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جئدرت سندھ کی سلطنت کا حکمران تھا، اور اس کا دارالحکومت سیہون میں واقع تھا۔

نسب اور سیاسی اتحاد

راجا جئدرت، راجا وردھک شتر کا بیٹا تھا، جو سنفل (Sanval) کا راجا تھا۔ جئدرت کی شادی کوروں کی بہن دہشلا سے ہوئی، جو ہستن پور کی ملکہ گاندھاری کی بیٹی تھی۔ یہ شادی سندھ اور کورو خاندان کے درمیان ایک سیاسی اتحاد کی علامت تھی۔

دروپدی کے ساتھ واقعہ

مہا بھارت کے مطابق، جئدرت دروپدی کے سویمور (خود انتخابی شادی) کے موقع پر اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ بعد میں، جب پانڈو شکار پر گئے ہوئے تھے، جئدرت نے موقع پا کر دروپدی کو زبردستی اغوا کر لیا۔ جب پانڈوؤں کو اس واقعہ کی خبر ملی، تو انہوں نے لشکر لے کر اس کا تعاقب کیا اور راستے میں اسے جا لیا۔ دونوں فریقوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی، جس میں جئدرت شکست کھا کر فرار ہو گیا، مگر بعد میں گرفتار ہوا۔ اسے اس شرط پر زندگی بخشی گئی کہ وہ سب کے سامنے خود کو ذلیل کرے اور رحم کی بھیک مانگے۔

کوروکشیتر کی جنگ اور موت

کوروکشیتر کی اٹھارہ روزہ جنگ کے دوران، جئدرت نے سندھ کی فوج کی قیادت کرتے ہوئے کوروں کا ساتھ دیا۔ سندھ کی فوج نے جنگی ہاتھی، آتشی تیر، اور مگدھروں کے ساتھ بھرپور حصہ لیا۔ جئدرت ارجن کے بیٹے ابھیمنیو کی موت کا بالواسطہ ذمہ دار بھی تھا، کیونکہ اس نے پانڈوؤں کو جنگی چکر ویو میں داخل ہونے سے روکا۔ آخرکار، ارجن نے اسے قتل کیا، جیسا کہ پیش گوئی کی گئی تھی کہ اگر اس کا سر زمین پر گرا تو وہ ہزار ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔

References

- Sindhiana. (n.d.). *راجا جئدرت*. حاصل شدہ از Sindhiana Encyclopedia
- HinduFAQs. (2021). *راجا جئدرت کی مکمل کہانی*. حاصل شدہ از HinduFAQs – Sindhu King Jayadratha
- Sindh Salamat. (n.d.). *مہا بھارت اور رامائن کا دور – سندھیوں کی فوجی مہارت*. حاصل شدہ از Sindh Salamat Book House

راجا سونیہ: قدیم سندھ کا فیاض حکمران

وادی سندھ کی تاریخی فضا میں راجا سونیہ ایک ایسا نیک سیرت اور فیاض حکمران تھا جس کا ذکر نہ صرف لوک کہانیوں میں بلکہ ویدک ادب میں بھی محفوظ ہے۔ اس کی حکمرانی، اقدار اور علم دوستی قدیم سندھ کی تہذیبی عظمت کی نمائندگی کرتی ہے۔

تاریخی پس منظر

راجا سونیہ، راجا بھاویہ کا بیٹا تھا اور اس کی شادی رانی روماسا سے ہوئی تھی۔ وہ پنچال نسل سے تعلق رکھتا تھا، جو کرو آریاؤں کی ایک شاخ تھی اور سندھ و اشکنی ندی (آج کی چناب) کے کناروں پر آباد تھی۔ ایف ای پارجیٹر کے مطابق، راجا سونیہ کی حکمرانی راجا سورسداس اور اس کے دادا دیوداس کے درمیانی دور میں ہوئی (Pargiter, 1922)۔

رگ وید میں ذکر

رگ وید کی رچناؤں میں کاکشون نامی رشی نے راجا سونیہ کی سخاوت کا ذکر کیا ہے۔ کاکشون پیدائشی نابینا تھا، لیکن اگنی دیوتا کی عبادت کے ذریعے اسے بینائی حاصل ہوئی۔ ایک رات جب وہ اپنے گرو کے آشرم سے واپس آ رہا تھا، تو راستے میں سو گیا۔ راجا سونیہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے گزرا اور رشی کی صورت و سیرت سے متاثر ہو کر اسے اپنے محل لے گیا۔ اس کی عقل، اخلاق اور علم سے متاثر ہو کر راجا نے اپنی دس بیٹیاں اس سے بیاہ دیں اور اسے بے شمار دولت عطا کی (Bherumal, 1939)۔

سخاوت کی تفصیلات

بھیرومل کے ترجمے کے مطابق، راجا سونیہ نے کاکشون رشی کو درج ذیل عطیات دیے:

- 100 سونے کے سکے
- 100 گھوڑے
- 100 بیل

- 1060 گائیں
- 11 رتھ (10 بیویوں کے لیے اور 1 کاکشون کے لیے)

ہر رتھ میں چار سندھی گھوڑے جتے ہوئے تھے، جن پر موتیوں سے جڑی ہوئی باگیں تھیں۔ یہ سخاوت صرف مادی نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی اقدار کی نمائندہ بھی تھی (Bherumal, 1939)۔

ثقافتی اہمیت

راجا سونیہ کی کہانی سندھ کی تہذیب میں علم، سخاوت اور روحانیت کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ اس کے اعمال سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ کے قدیم حکمران صرف جنگجو نہیں بلکہ علم دوست، رشی پرست اور انسان دوست بھی تھے۔

References

- Bherumal, M. (1939). *Qadeem Sindh*. Karachi: Sindh Historical Society.
- Pargiter, F. E. (1922). *Ancient Indian Historical Tradition*. Oxford University Press.

برہما گپت: قدیم سندھ وادی کا
ریاضی دان اور ماہرِ فلکیات

برہما گپت ریاضی اور فلکیات کی تاریخ میں ایک نمایاں شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس نے نہ صرف نئے نظریات پیش کیے بلکہ ریاضی کے بنیادی اصولوں کو ازسرِ نو ترتیب دیا۔ اس کا تعلق قدیم سندھ وادی کے شہر بھیل مالا سے تھا، جو آج کے راجستھان اور گجرات کے سرحدی علاقے میں واقع ہے۔ اس کا علمی ورثہ عرب، لاطینی اور مغربی دنیا تک پہنچا۔

زندگی اور پس منظر

برہما گپت 598ء میں پیدا ہوا اور 668ء میں وفات پائی۔ وہ بھیل مالا میں رہتا تھا، جو گجرادیش کی دارالحکومت تھی—ایک بڑی ریاست جو مغربی ہندوستان میں واقع تھی۔ اس کا دور علم، فلکیات اور ریاضی کی ترقی کا دور تھا، جس میں اس نے اپنے نظریات پیش کیے۔

علمی خدمات

برہما گپت نے دو اہم کتابیں تصنیف کیں:

1. برہما شپتا سدھانتا (628ء)
اس کتاب میں الجبرا، مثلثیات، جغرافیہ اور الگوردمز کے ابواب شامل ہیں۔ اس نے سب سے پہلے صفر (0) کی وضاحت کی اور چوکور مساوات (Quadratic Equation) کو منظم انداز میں بیان کیا۔

2. خندا خادی کا (665ء)
یہ کتاب عملی فلکیاتی حسابات پر مشتمل ہے،

جس میں وقت، سیاروں کی گردش اور دیگر فلکیاتی امور شامل ہیں۔

کششِ ثقل کا نظریہ

628ء میں برہما گپت نے کششِ ثقل کو ایک "کھینچنے والی قوت" کے طور پر بیان کیا اور اسے سنسکرت میں *گروتواکرشنم* کا نام دیا—یہ نظریہ نیوٹن سے کئی صدیوں پہلے پیش کیا گیا۔

صفر کی ایجاد اور عالمی اثر

اس کی کتاب *برہما شپتا سدھانتا* کو عرب ریاضی دان الخوارزمی نے عربی میں *السنڌ الهند* کے نام سے ترجمہ کیا۔ اسی ترجمے سے صفر کا تصور عرب اور پھر یورپی دنیا میں داخل ہوا۔ بعد میں یہ کتاب لاطینی اور دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہوئی۔

اثرات اور ورثہ

برہما گپت کے علمی اثرات مسلم سائنسدانوں جیسے الخوارزمی، ابن سینا اور عمر خیام پر پڑے۔ اس کے نظریات یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے دوران ریاضی کی بنیاد بنے۔ صفر کی ایجاد، الجبرا کی ترتیب اور فلکیاتی حسابات آج بھی ریاضی کے بنیادی اصولوں میں شامل ہیں۔

نتیجہ

برہما گپت نے نہ صرف ریاضی کو ازسرِ نو ترتیب دیا بلکہ سندھ وادی کی علمی روایت کو عالمی

سطح پر متعارف کروایا۔ اس کی علمی خدمات
ثابت کرتی ہیں کہ سندھ کی تہذیب علم، فکر
اور تخلیق کے لحاظ سے دنیا کی رہنما تھی۔
برہما گپت کا علمی ورثہ آج بھی زندہ ہے۔

References

1. Michael Hamilton Morgan, *Lost History: The Enduring Legacy of Muslim Scientists*, National Geographic, Washington, 2008
2. Pickover, Clifford (2008). *Archimedes to Hawking: Laws of Science and the Great Minds Behind Them*. Oxford University Press
3. Bradley, Michael. *The Birth of Mathematics: Ancient Times to 1300*, Infobase Publishing, 2006
4. Mackenzie, Dana. *The Universe in Zero Words: The Story of Mathematics as Told through Equations*, Princeton University Press, 2012

چانکیہ کی سیاسی فکر کا تجزیہ: ارتھ شاستر کی روشنی میں

چانکیہ، جنہیں کوٹیلیا یا وشنو گپت کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، قدیم وادی سندھ کے سیاسی فلسفے کے عظیم مفکر شمار ہوتے ہیں۔ ان کی شہرہ آفاق تصنیف *ارتھ شاستر* نے صرف موریہ سلطنت کی بنیاد رکھنے میں معاون ثابت ہوئی بلکہ آج کے سیاسی و اقتصادی مباحث میں بھی اس کی گونج سنائی دیتی ہے (Sharma, 2004)۔

تاریخی پس منظر

چانکیہ 350 قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ وہ رشی چانک کے بیٹے تھے، جن کے نام پر انہیں چانکیہ کہا گیا۔ انہوں نے وادی سندھ کے قدیم شہر تاکششیلا کی یونیورسٹی میں سیاسیات کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور بعد ازاں چندرگپت موریہ کے مشیرِ اعلیٰ اور وزیر مقرر ہوئے۔ ان کی حکمتِ عملی اور انتظامی بصیرت موریہ سلطنت کے استحکام میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے (Thapar, 2013)۔

ارتھ شاستر: فلسفہ اور فکری خاکہ

ارتھ شاستر ایک جامع تصنیف ہے جو سیاست، معیشت، قانون، جنگی حکمتِ عملی اور اخلاقیات جیسے موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ چانکیہ کی سیاسی فکر چار بنیادی اصولوں پر مبنی ہے:

1. مساوی سلوک
2. حوصلہ افزائی
3. سزا یا جنگ
4. کاشت و استحکام (Sen, 1999)

چانکیہ کے نزدیک حکمران کو صرف سیاسی طور پر چالاک ہی نہیں بلکہ اخلاقی طور پر بھی بلند ہونا چاہیے۔ ان کی فکر میں "دھرم" اور "نیتی" کا توازن ایک مثالی طرزِ حکمرانی کی بنیاد فراہم کرتا ہے (Boesche, 2003)۔

چانکیہ اور میکیاولی: ایک تقابلی جائزہ

چانکیہ کا اکثر تقابل میکیاولی سے کیا جاتا ہے، حالانکہ چانکیہ میکیاولی سے تقریباً 2100 سال قبل پیدا ہوئے۔ جہاں میکیاولی طاقت اور چالاکی پر زور دیتا ہے، وہیں چانکیہ اخلاقیات، سفارتکاری اور ریاستی مفاد کو ایک جامع حکمتِ عملی میں ضم کرتے ہیں (Boesche, 2003)۔

جدید دور میں چانکیہ کی اہمیت

چانکیہ کے اصول آج کے سیاسی اور انتظامی نظام میں بھی قابلِ اطلاق ہیں۔ ان کی قیادت،

سفارتکاری اور اقتصادی نظم و نسق سے متعلق بصیرتیں آج کے مفکرین کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ جدید کتب جیسے *Chanakya on Management* ان کے سوتر کو آج کے ادارتی اور حکمتِ عملی کے تناظر میں پیش کرتی ہیں (Rao, 2001)۔

نتیجہ

چانکیہ کی سیاسی فکر ایک ایسا لازوال نمونہ پیش کرتی ہے جو حکمت، اخلاقیات اور ریاستی مفاد کے درمیان توازن قائم کرتی ہے۔ ان کا علمی ورثہ، جو *ارتھ شاستر* میں محفوظ ہے، آج بھی مؤثر اور اصولی حکمرانی کے متلاشیوں کے لیے ایک رہنما چراغ ہے۔

References

- Boesche, R. (2003). *The First Great Political Realist: Kautilya and His Arthashastra*. Lexington Books.
- Rao, R. (2001). *Chanakya on Management*. Jaico Publishing House.
- Sen, A. (1999). *Development as Freedom*. Oxford University Press.
- Sharma, R. (2004). *Kautilya: The Arthashastra*. Penguin Books India.

- Thapar, R. (2013). *The Past Before Us: Historical Traditions of Early North India*. Harvard University Press.

راجا سامبس — سندھ کا بھلایا ہوا سورما

خلاصہ

راجا سامبس، قدیم سندھ کا ایک مقامی حکمران، سکندر اعظم کے حملے کے خلاف مزاحمت کرنے کے باوجود تاریخی بیانیوں میں فراموش کر دیا گیا ہے۔ یونانی ماخذ کے مطابق سامبس نے ابتدائی

اطاعت کے بعد بغاوت کی، جس پر سکندر نے سختی سے کارروائی کی، اسے درخت پر لٹکا کر پھانسی دی گئی اور اس کے عوام کو بھی قتل کیا گیا۔ یہ مضمون سامبس کی تاریخی اہمیت کو قدیم مآخذ، نوآبادیاتی تاریخ نویسی اور جدید سندھی مؤرخین کی تشریحات کی روشنی میں اجاگر کرتا ہے۔ مضمون اس بات پر زور دیتا ہے کہ سامبس کی قربانی کو تسلیم کرنا تاریخی انصاف کے ساتھ ساتھ مقامی مزاحمت کو عالمی تاریخ میں جگہ دینے کی کوشش بھی ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ میں ایسے کئی مقامی حکمران اور سورما موجود ہیں جن کی قربانیوں کو مرکزی تاریخ میں شامل نہیں کیا گیا۔ انہی میں سے ایک راجا سامبس ہے، جس نے سکندر اعظم کی جارحیت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ نوآبادیاتی دور کی تاریخ نویسی میں سامبس جیسے کرداروں کو نظرانداز کرنے سے سندھ کی تاریخ کا ایک اہم باب مسخ ہوا۔

تاریخی پس منظر

331 ق.م میں دارا سوم کو شکست دینے کے بعد، سکندر مقدونی وسطی ایشیا اور ہندوکش سے گزرتا ہوا پنجاب آیا، جہاں اس نے 327 ق.م میں

راجا پورس کو شکست دی (Bosworth, 1988)۔ اس کے بعد وہ دریائے سندھ کے کنارے جنوب کی طرف بڑھا، جہاں ملتان اور سانگلا میں خونریز جنگیں ہوئیں۔ انہی جنگوں کے دوران سندھ کے مختلف حکمرانوں نے مزاحمت کی، جن میں راجا سامبس نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

راجا سامبس کی مزاحمت

راجا سامبس، جو موجودہ ٹھٹھہ کے علاقے پر حکومت کرتا تھا، نے ابتدا میں سکندر کے اقتدار کو قبول کیا مگر جلد ہی بغاوت کر دی۔ آریان (Arrian, trans. 1976) کے مطابق، سکندر نے سامبس کے خلاف فوجی کارروائی کی، اسے گرفتار کر کے شہر سے باہر درخت پر لٹکا دیا، جبکہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر کے ان کی لاشیں گلیوں میں پھینک دی گئیں۔ یہ واقعہ سکندر کی سفاک سامراجی پالیسی اور مقامی حکمرانوں کی بہادری دونوں کی عکاسی کرتا ہے۔

تاریخ نویسی میں خاموشی اور جدید احیا

راجا سامبس کی قربانی کو تاریخی بیانیے سے نکال دینا نوآبادیاتی تاریخ نویسی کی ترجیحات کا نتیجہ ہے، جہاں یونانی مآخذ کو فوقیت دی گئی اور مقامی روایات کو نظرانداز کیا گیا۔ جدید

سندھی مؤرخین، بالخصوص عبدالواحد آریسر (2010)، سامبس کو سندھ کی آزادی کے لیے لڑنے والا پہلا سورما قرار دیتے ہیں۔ اس کا ذکر نوآبادیاتی تاریخ کے یورو سینٹرک زاویے کو چیلنج کرتا ہے۔

تجزیاتی بحث

راجا سامبس کی اہمیت کو دو زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے:

1. **قدیم ماخذ:** یونانی مؤرخین نے سامبس کو باغی کے طور پر پیش کیا، مگر مقامی نقطۂ نظر سے وہ ایک مجاہد آزادی تھا۔
2. **تاریخ نویسی پر تنقید:** نوآبادیاتی دور میں یونانی و برطانوی مآخذ کو اہمیت دی گئی اور مقامی بیانیوں کو پسِ منظر میں دھکیل دیا گیا۔ سامبس کی فراموشی اسی یورو سینٹرک رویے کی علامت ہے۔

نتیجہ

راجا سامبس کی سکندر کے خلاف مزاحمت جنوبی ایشیا کی تاریخ کا ایک اہم مگر نظرانداز کیا گیا باب ہے۔ اس کی شہادت اور اس کے عوام کا قتل سامراجی جارحیت کی قیمت اور مقامی مزاحمت کی جرات کو ظاہر کرتا ہے۔ سامبس

کی میراث کو اجاگر کرنا نہ صرف تاریخی انصاف
ہے بلکہ سندھ کی تاریخ کو عالمی سطح پر
تسلیم کرانے کی ایک جدوجہد بھی ہے۔

References

- Arisar, A. W. (2010). *سرَ ۾ سانجهيءَ ويرَ [Evening Resistance in the Head]*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Arrian. (1976). *The Campaigns of Alexander* (A. de Sélincourt, Trans.). Penguin Classics. (Original work written ca. 2nd century CE)
- Bosworth, A. B. (1988). *Conquest and Empire: The Reign of Alexander the Great*. Cambridge University Press.
- Chakrabarti, D. K. (2006). *The Oxford Companion to Indian Archaeology: The Archaeological Foundations of Ancient India*. Oxford University Press.
- Smith, V. A. (1904). *The Early History of India*. Oxford: Clarendon Press.

- Tarn, W. W. (1948). *Alexander the Great*. Cambridge University Press.

راجا پورس: سندھ وادی کا ایک بہادر حکمران

خلاصہ

راجا پورس سندھ وادی کا ایک بہادر اور حکمت عملی رکھنے والا حکمران تھا، جس نے چوتھی صدی قبل مسیح میں سکندر اعظم کا مقابلہ کیا۔ اس کی حکومت پنجاب کے زرخیز علاقوں،

خصوصاً جہلم اور سندھ کے درمیان واقع خطے تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ مقالہ پورس کی حکمرانی کے تاریخی پس منظر، فوجی حکمت عملی، مشہور جنگ ہائیڈیسپس، اور اس کے نتائج کا تفصیلی جائزہ پیش کرتا ہے۔ مزید برآں، اس کی شخصیت کی اہمیت کو مقامی روایات اور یونانی و رومی تاریخی ماخذات کے تناظر میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

تعارف

سندھ وادی دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار کی جاتی ہے، جہاں مختلف سلطنتیں اور حکمران ابھرے۔ ان میں راجا پورس ایک ایسا بادشاہ تھا جسے اس کی جرات، مزاحمت اور سکندر اعظم کے خلاف جنگ کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا گیا۔ اس کا تاریخی کردار نہ صرف برصغیر بلکہ عالمی تاریخ میں بھی اہم مقام رکھتا ہے (Bosworth, 1988)۔

سیاسی و تاریخی پس منظر

راجا پورس کی حکومت شمالی سندھ وادی میں تھی، خاص طور پر جہلم اور چناب کے درمیان کے زرخیز علاقے میں (Bosworth, 1988)۔ اس وقت ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا اور اتحاد کی کمی کی وجہ سے سکندر

کی پیش قدمی آسان ہوئی۔ ٹیکسلا کے راجا امبی سمیت کئی حکمران سکندر کے حلیف بن گئے، مگر پورس نے اکیلے ہی مزاحمت کی (Arrian, 1893)۔

سکندر اعظم کی ہندوستان پر یلغار

سکندر اعظم نے فارس اور وسطی ایشیا کو فتح کرنے کے بعد 326 ق.م میں ہندوستان کا رخ کیا۔ ٹیکسلا میں اس کا استقبال مقامی حکمران راجا امبی نے کیا اور فوجی مدد بھی فراہم کی (Holt, 2003)۔ اس اتحاد کے بعد سکندر کی توجہ پورس کی طرف مبذول ہوئی جو دریائے ہائیڈیسپس (موجودہ جہلم) کے کنارے اپنی سلطنت کو مضبوطی سے قائم کیے ہوئے تھا۔

جنگ ہائیڈیسپس (326 ق.م)

فوجی طاقت

پورس کے پاس ایک بڑی فوج تھی جس میں شامل تھے:

- 200 جنگی ہاتھی،
- 300 رتھ،
- 4000 گھڑسوار، اور
- 30,000 پیادہ فوج (Holt, 2003)۔

دوسری طرف سکندر کی فوج تعداد میں کم تھی لیکن وہ منظم، تجربہ کار اور جدید اسلحہ سے لیس تھی۔

حکمت عملی

پورس نے دریا کے کنارے فوج تعینات کر کے سکندر کو روکنے کی کوشش کی۔ تاہم سکندر نے بارش اور اندھیری رات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک غیر متوقع مقام سے دریا عبور کیا۔ اس چال نے پورس کو حیران کر دیا (Arrian, 1893)۔

جنگ کا منظرنامہ

ابتدا میں پورس کے ہاتھیوں نے مقدونی افواج کو سخت نقصان پہنچایا، مگر جب زخمی ہوئے تو انہوں نے اپنی ہی فوج کو کچلنا شروع کر دیا، جس سے افراتفری پھیل گئی (Plutarch, 1919)۔ مزید یہ کہ پورس کا بیٹا، جو فوج کی قیادت کر رہا تھا، جنگ میں مارا گیا، جس سے فوج کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ نتیجتاً پورس کی فوج کو شکست ہوئی۔

پورس کی گرفتاری اور شخصیت

شدید زخمی ہونے کے باوجود پورس اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر آخر دم تک لڑتا رہا۔ جب اسے گرفتار کر کے سکندر کے سامنے لایا گیا تو سکندر نے پوچھا:

"تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جائے؟"
پورس نے فخر اور شان کے ساتھ جواب دیا:
"جیسے بادشاہ، بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔"

یہ جرات مندانہ جواب سکندر کو اس قدر متاثر کر گیا کہ اس نے پورس کو دوبارہ اس کی حکومت سونپ دی اور مزید علاقے بھی عطا کیے (Arrian, 1893; Plutarch, 1919)۔

اہمیت اور ورثہ

راجا پورس کی شخصیت برصغیر اور عالمی تاریخ میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے:

- اس نے اجنبی حملہ آوروں کے خلاف سندھ وادی کے حکمرانوں کی جرات اور مزاحمت کو نمایاں کیا۔
- شکست کے باوجود اس کی قیادت اور دلیری ایک علامت بن گئی۔
- یونانی مؤرخین جیسے اریان اور پلاٹارک نے اس کی شخصیت کو ایک "شاہانہ مجاہد" کے طور پر پیش کیا، جسے دشمن بھی عزت دیتے تھے۔

نتیجہ

راجا پورس برصغیر کی تاریخ کا ایک ایسا کردار ہے جس نے جرات، حکمت عملی اور عزت نفس کے ساتھ اپنی پہچان بنائی۔ اگرچہ وہ سکندر کی عسکری مہارت اور جدید حکمت عملی کے سامنے شکست کھا گیا، لیکن اس کی بہادری اور شرافت نے اسے تاریخ میں امر کر دیا۔ اس کا سکندر سے مقابلہ یونانی اور ہندوستانی تہذیبوں کے ٹکراؤ کی ایک بڑی علامت ہے۔

References

- Arrian. (1893). *The Anabasis of Alexander*. Translated by E. J. Chinnock. London: George Bell & Sons.
- Bosworth, A. B. (1988). *Conquest and Empire: The Reign of Alexander the Great*. Cambridge: Cambridge University Press.
- Holt, F. L. (2003). *Alexander the Great and the Mystery of the Elephant Medallions*. Berkeley: University of California Press.
- Plutarch. (1919). *Lives, Volume VII: Demosthenes and Cicero. Alexander and Caesar*. Translated by Bernadotte Perrin. Cambridge, MA: Harvard University Press.

راجا رائے سہارس دوم: سندھ کے لیے جان قربان کرنے والا پہلا حکمران

خلاصہ

رائے خاندان نے سندھ پر تقریباً 94 سال (550ء تا 644ء) حکومت کی۔ اس خاندان کے حکمرانوں میں راجا رائے سہارس دوم پہلا بادشاہ تھا جس

نے سندھ کے دفاع کے لیے اپنی جان قربان کی۔ اس کے دورِ حکومت میں سندھ کو چار صوبوں میں تقسیم کیا گیا اور بہترین انتظامی ڈھانچہ قائم رہا۔ 626ء میں فارس کے نمرود کے بادشاہ نے سندھ پر حملہ کیا۔ راجا سہارس نے بذاتِ خود فوج کی قیادت کرتے ہوئے مقابلہ کیا اور وطن کے دفاع میں شہادت حاصل کی۔ یہ جنگ *ذات السلاسل* یعنی ’’زنجیروں کی جنگ‘‘ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ مضمون رائے خاندان کی حکمرانی، راجا سہارس دوم کی انتظامی صلاحیتوں اور اس کی وطن کے لیے قربانی کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔

تعارف

رائے خاندان کا شمار سندھ کی تاریخ کے ان ادوار میں ہوتا ہے جو امن، خوشحالی اور مضبوط نظم و نسق کے لیے مشہور ہیں۔ ایچ۔ ٹی۔ لیمبرک (1952) اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (1983) اس خاندان کے دورِ اقتدار کے بارے میں مختلف آرا رکھتے ہیں، لیکن دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اس نے سندھ میں ایک مستحکم ریاست قائم کی۔

رائے خاندان کی حکمرانی

اس خاندان کے پانچ بادشاہ ہوئے: راجا رائے دیواج، رائے سہیرس اول، رائے ساہسی اول، رائے سہارس دوم اور رائے ساہسی دوم (قانع، 1765/1959)۔ اس خاندان کا پایہ تخت اروڑ تھا جبکہ اہم بندرگاہ دیبل تھی، جہاں سے بین الاقوامی تجارت ہوتی تھی (کوفی،

(1216/1939)۔ ملک کو چار صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا: ملتان، اچ/اسکلندہ، برہمن آباد اور سیوہن، جن کے گورنر مقرر کیے گئے تھے (معصومی، 1600/1938)۔

راجا رائے سہارس دوم کا دور

راجا سہارس دوم نے 626ء تک حکومت کی۔ اس نے سندھ میں امن قائم رکھا اور ہر صوبے کے گورنروں کو ملک کے دفاع اور رعایا کی خوشحالی کے لیے خاص ہدایات دی تھیں۔ اس کی انتظامی صلاحیتوں کے باعث اس کے دور میں کوئی بغاوت نہ ہوئی۔

فارسی حملے اور ذات السلاسل کی جنگ

626ء میں فارس کے نمرود کے بادشاہ نے سندھ پر حملہ کیا۔ راجا سہارس نے خود اپنی فوج کی قیادت کرتے ہوئے حملہ آوروں کو سرحد پر روکا۔ *چچ نامہ* کے مطابق اس کے سپاہی ایک دوسرے کو زنجیروں سے باندھ کر لڑے تاکہ کوئی پیچھے نہ ہٹ سکے (کوفی، 1216/1939)۔ جنگ میں دونوں طرف سے بھاری جانی نقصان ہوا۔ راجا سہارس لڑتے لڑتے شہید ہوگیا، لیکن حملہ آور فوج کو شکست دے کر واپس جانے پر مجبور کیا۔

نتیجہ

راجا رائے سہارس دوم سندھ کا پہلا حکمران تھا جس نے وطن کے دفاع کے لیے اپنی جان دی۔ اس کی قیادت اور بہادری نے اس کی شہادت کو فتح میں بدل دیا کیونکہ حملہ آور سندھ کو فتح کرنے میں ناکام رہے۔ اس کی قربانی سندھ کی تاریخ میں وطن پرستی اور دفاعی عزم کی ایک روشن مثال ہے۔

References

- Baloch, N. A. (1983). *History of Sindh*. Karachi: Sindh University Press.
- Kufi, A. H. (1216/1939). *Chach Nama*. (M. H. Laghari, Trans.). Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Lambrick, H. T. (1952). *Sindh: A Historical Survey*. London: Cambridge University Press.
- Masumi, M. (1600/1938). *Tareekh-i-Masumi*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Qani, M. A. S. (1765/1959). *Tuhfat al-Kiram*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

پانی نی: سنسکرت گرامر کا بانی

خلاصہ

پانی نی قدیم ہندوستان کے عظیم ماہر لسانیات تھے جنہوں نے سنسکرت زبان کو سائنسی بنیادوں پر منظم کر کے جدید لسانیات کی بنیاد رکھی۔ ان کی پیدائش روایتی طور پر دریائے سندھ کے کنارے اٹک کے قریب واقع گاؤں شلاتلا میں بتائی جاتی ہے۔ بعض مؤرخین ان کی پیدائش چوتھی، پانچویں، چھٹی یا ساتویں صدی قبل مسیح میں قرار دیتے ہیں لیکن اس کی کوئی حتمی شہادت موجود نہیں۔ پانی نی کی شہرہ آفاق تصنیف استھ*adhyayi* آٹھ ابواب پر مشتمل ہے جس میں 1700 قواعدِ صرف و نحو اور صوتیات کو مرتب کیا گیا۔ یہ مضمون پانی نی کی علمی خدمات، سنسکرت زبان کی ساخت میں ان کے کردار اور جدید لسانیات پر ان کے اثرات کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔

تعارف

پانی نی کو دنیا کے عظیم ترین ماہرینِ گرامر میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا کام لسانیات کی تاریخ میں ایک انقلابی موڑ ثابت ہوا (Cardona, 1997)۔ اگرچہ مختلف روایتیں ان کی زندگی کو مختلف صدیوں قبل مسیح میں بتاتی ہیں، تاہم اس بارے میں قطعی یقین حاصل نہیں۔ پانی نی کی شہرت ان کی تصنیف *استھadhyayi* کی بدولت ہے، جس نے سنسکرت کو ایک منظم اور سائنسی صورت دی۔

زندگی اور پس منظر

پانی نی کی پیدائش شلاتلا گاؤں (اٹک کے قریب، دریائے سندھ کے کنارے) میں ہوئی۔ اس زمانے میں سنسکرت کو "دیوتاؤں کی زبان" سمجھا جاتا تھا اور عام لوگوں کو اسے بولنے یا سننے کی اجازت نہ تھی (Deshpande, 1993)۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زبان عوامی سطح پر رائج نہ ہو سکی اور بتدریج مٹتی چلی گئی۔

استھadhyayi اور گرامر کی تشکیل

پانی نی کا سب سے بڑا کارنامہ *استھadhyayi* ہے، جو آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں:

- 1700 قواعدِ گرامر مرتب کیے گئے؛
- آوازوں اور تلفظ کے اصول متعین کیے گئے؛
- جملوں اور مرکب اسموں کے اصول بیان کیے گئے؛
- خدائی اور عوامی زبان میں فرق واضح کیا گیا (Kiparsky, 2009)۔

یہ کام سنسکرت کو ایک ضابطہ بند اور معیاری زبان بنانے میں سنگِ میل ثابت ہوا۔

اثرات اور اہمیت

پانی نی کا لسانی ماڈل آج بھی عالمی لسانیات میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ آواز، الفاظ اور جملوں کے تجزیے کے لیے ان کا سائنسی طریقہ جدید لسانی نظریات کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی *استھadhyayi* نے نہ صرف سنسکرت کو محفوظ کیا بلکہ دنیا بھر میں صرفیات اور صوتیات کے مطالعات پر اثر ڈالا۔

نتیجہ

پانی نی قدیم ہندوستان کے بے مثال عالم تھے جنہوں نے سنسکرت کو سائنسی اور منظم شکل دی۔ ان کی *استھadhyayi* لسانیات کی تاریخ

میں انقلابی حیثیت رکھتی ہے۔ پانی نی نے صرف سنسکرت گرامر کے بانی ہیں بلکہ جدید لسانیات کے پیش رو بھی سمجھے جاتے ہیں۔

References

- Cardona, G. (1997). *Panini: His Work and Its Traditions*. Delhi: Motilal Banarsidass.
- Deshpande, M. (1993). *Sanskrit and Prakrit: Sociolinguistic Issues*. Delhi: Motilal Banarsidass.
- Kiparsky, P. (2009). *Paninian Linguistics*. In Cambridge Encyclopedia of the World’s Ancient Languages. Cambridge: Cambridge University Press.

راجا چچ: سندھ میں برہمن حکومت کا بانی

سندھ کی تاریخ میں راجا چچ برہمن کا دور ایک اہم سیاسی، انتظامی اور تمدنی تبدیلی کا زمانہ تھا۔ رائے خاندان کے زوال کے بعد، چچ نے نہ صرف اقتدار سنبھالا بلکہ انصاف، فلاح اور وسعت کی نئی روایت قائم کی۔ اس کی شخصیت، حکمرانی کا انداز اور جنگی حکمتِ عملی سندھ کے تاریخی شعور کا حصہ بن گئے ہیں (سید، 2001).

سیاسی اُبھار

چچ، سیلاج برہمن کا بیٹا، رام حاجب کے دربار میں اپنی انشاپردازی کی مہارت کے سبب اُبھرا۔ رائے سہاسی کے محل میں اس کی خط نویسی کی قابلیت بادشاہ کو متاثر کر گئی، جس کے بعد اسے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ ملا (قدوسی، 2001). ایمانداری اور انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے عوام میں مقبول ہوا۔

اقتدار کی منتقلی

رائے سہاسی کی وفات کے بعد، رانی سونہ دیوی کے مشورے پر چچ نے اقتدار سنبھالا۔ سن 622ء میں چچ سندھ کا حاکم بنا، جس سے برہمن خاندان کی شروعات ہوئی۔ چچ نے رانی سے شادی کی اور رائے کے رشتہ داروں کو گرفتار کر کے ممکنہ بغاوت کو روک لیا (چچ نامہ، حوالہ: سید، 2001).

جنگی مہمات اور وسعت

چچ کے دور میں ملتان، سیوستان، کشمیر، قندابیل اور برہمن آباد سمیت کئی علاقے فتح کیے گئے۔ اگھم لوہانی کے ساتھ ایک سالہ جنگ کے بعد برہمن آباد پر قبضہ کیا گیا۔ چچ نے اگھم کی بیوی سے شادی کی اور اس کے بیٹے سرِیند کی شادی اپنے بھتیجے سے کرائی تاکہ سیاسی اتحاد قائم ہو (قدوسی، 2001).

انتظامی اصلاحات

چچ نے خزانے کے دروازے عوام کے لیے کھول دیے، ٹیکس معاف کیے، اور عدل، رحم اور برابری کی بنیاد پر حکمرانی کی۔ اس کے دور میں ظلم اور ناانصافی کے آثار مٹائے گئے۔ روایت ہے کہ حضرت محمد ﷺ نماز کے بعد سندھ کی طرف رخ کر کے فرماتے تھے: "مجھے سندھ سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے" (جی۔ ایم۔ سید، 2001).

وراثت اور وفات

چچ کی وفات 52ھ/672ء (یا 40ھ/660ء، قدوسی کے مطابق) میں ہوئی۔ اس کے بیٹے داہر اور بھائی چندر جانشین بنے۔ چچ کا دور سندھ کی تاریخ میں انصاف، وسعت اور تمدن کے دور کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

References

- Syed, G. M. (2001). *Heroes of Sindh* (3rd ed.). G. M. Syed Academy, Sann, District Dadu.
- Qudusi, I. H. (2001). *History of Sindh* (Urdu edition). Muqtadra Qaumi Zaban, Islamabad.
- *Chach Nama*. As cited in *Tuhfat-ul-Kiram* and other historical sources.

راٹي سونہن دیوی: سندھ کو خارجی حملوں سے محفوظ رکھنے والی مدافع

خلاصہ

یہ مقالہ راٹي سونہن دیوی کے تاریخی کردار کا جائزہ لیتا ہے، جنہوں نے تقریباً 1400 سال قبل سندھ کو خارجی حملوں سے محفوظ رکھنے میں شجاعت اور بصیرت کا مظاہرہ کیا۔ برہمن خاندان سے تعلق رکھنے والی اس ملکہ نے رائے خاندان کے زوال کے بعد سندھ میں سیاسی استحکام پیدا کیا، چچ کو حکمران کے طور پر سامنے لانے میں اہم کردار ادا کیا، اور چتور کے راجہ مہرٹھ کے خلاف مزاحمت کی۔ یہ مقالہ ظاہر کرتا ہے کہ راٹي سونہن دیوی کی دانش، تدبیر اور عزم نے نہ صرف سندھ کو قبضے سے بچایا بلکہ رائے خاندان سے برہمن خاندان میں انتقال اقتدار کی راہ بھی ہموار کی۔

تعارف

تاریخ سندھ میں طاقتور حکمرانوں، نسلی تبدیلیوں اور بیرونی حملوں کی داستانیں بھری ہوئی ہیں۔ ان نمایاں شخصیات میں راڻي سوہن دیوی ایک اہم مقام رکھتی ہیں جو سندھ کی خودمختاری کے دفاع اور دانشمندانہ حکمتِ عملی کی وجہ سے یاد رکھی جاتی ہیں (Shaikh, 1995)۔ رائے ساہسي دوم کی اہلیہ ہونے کے ناطے، جو رائے خاندان کا آخری بادشاہ تھا، سوہن دیوی نے اُس وقت فیصلہ کن کردار ادا کیا جب اندرونی خلفشار اور بیرونی حملے سندھ کے استحکام کو خطرے میں ڈال رہے تھے (Qureshi, 2002)۔

سندھ میں رائے اور برہمن خاندان

رائے خاندان نے 550ء سے 644ء تک تقریباً 94 برس سندھ پر حکمرانی کی۔ اس خاندان کے پانچ بادشاہ ہوئے جن میں آخری راجہ رائے ساہسي دوم تھا (Majumdar, 1960)۔ اس کے بعد 644ء سے 712ء تک برہمن خاندان نے سندھ پر حکومت کی، جس میں چچ، چندر اور راجہ داہر شامل تھے (Al-Biladhuri, 1916/1994)۔ رائے ساہسي دوم کی اہلیہ سوہن دیوی نے اس عبوری دور میں فیصلہ کن سیاسی کردار ادا کیا۔

چچ کا عروج اور سوہن دیوی کا کردار

چچ، جو وزیر رام رائے کا کاتب تھا، اپنی ذہانت اور انتظامی صلاحیت کی بدولت دربار میں مقبول ہوا (Sindhi Adabi Board, 1963)۔ راجا اور ملکہ کے قریب آنے کے بعد چچ ریاستی معاملات میں اہمیت اختیار کر گیا۔ رائے ساہسي دوم کے بے اولاد اور بیمار ہونے کی وجہ سے سندھ غیر محفوظ ہو گیا تھا (Shaikh, 1995)۔ اس صورتحال کو سمجھتے ہوئے سونہن دیوی نے سندھ کو چتور کے راجہ مہرٹھ کے خطرے سے بچانے کے لئے چچ کو نائب حکمران مقرر کیا (Qureshi, 2002)۔

چتور کے راجہ مہرٹھ کا چیلنج

رائے ساہسي کی وفات کے بعد، راجہ مہرٹھ نے ایک بڑی فوج اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ سندھ پر حملہ کیا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ چچ ایک کمزور برہمن راہب ہے اور جلد سندھ پر قابض ہو جائے گا (Majumdar, 1960)۔ مگر سونہن دیوی نے ہار ماننے کے بجائے چچ کو جنگ کے لئے ابھارا۔ اُس نے کہا کہ اگر تم جنگ نہیں لڑ سکتے تو میں تمہارے لباس پہن کر میدان میں اتروں گی (Shaikh, 1995)۔ اس جملے نے چچ کے اندر غیرت اور حوصلہ پیدا کیا اور وہ شیر کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مہرٹھ کی فوج کو شکست ہوئی اور سندھ محفوظ رہا۔

شادی اور سیاسی استحکام

چونکہ رائے ساہسي کی کوئی اولاد نہ تھی، سونہن دیوی نے بعد ازاں چچ سے شادی کرلی تاکہ اقتدار کو مضبوط بنیاد فراہم کی جا سکے۔ اس شادی نے چچ کی حکمرانی کو قانونی اور سیاسی جواز بخشا (Al-Biladhuri, 1916/1994)۔ اس رشتے سے دو بیٹے، راجہ داہر اور دہرسین، اور ایک بیٹی مایاں پیدا ہوئے، جنہوں نے برہمن خاندان کی سلطنت کو آگے بڑھایا۔

نتیجہ

راٹي سونہن دیوی سندھ کی تاریخ میں شجاعت، تدبیر اور دور اندیشی کی علامت ہیں۔ انہوں نے نہ صرف بیرونی طاقتوں کے خلاف سندھ کی خودمختاری کا دفاع کیا بلکہ حکمرانی کے تسلسل کو بھی یقینی بنایا۔ چچ کو اقتدار دینے، راجہ مہرٹھ کے خلاف مزاحمت دلانے اور سیاسی استحکام قائم کرنے میں ان کا کردار سندھ کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ سندھ کے عوام بجا طور پر انہیں ایک ایسی ملکہ قرار دیتے ہیں جس نے وطن کو خارجی تسلط سے محفوظ رکھا۔

References

- Al-Biladhuri, A. (1994). *Futuh al-Buldan* (F. Hitti, Trans.). Lahore: Islamic Book Service. (Original work published 1916)
- Majumdar, R. C. (1960). *The Classical Accounts of India*. Calcutta: Firma K. L. Mukhopadhyay.
- Qureshi, I. H. (2002). *A Short History of Pakistan: Volume One*. Karachi: University of Karachi Press.
- Shaikh, A. M. (1995). *History of Sindh: A Cultural Perspective*. Hyderabad: Sindh University Press.
- Sindhi Adabi Board. (1963). *Chachnama (The Tale of Chach)*. Jamshoro: Sindhi Adabi Board.

راجا اگہم کی مزاحمت: سندھ کی سیاسی تبدیلی کا ایک تاریخی موڑ

تعارف

سندھ کی تاریخ میں رائے خاندان سے چچ کی حکمرانی تک کا دور سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں مقامی حکمرانوں کی مزاحمت، خاص طور پر راجا اگہم کی، نہ صرف اقتدار کی تبدیلی کی نوعیت کو واضح کرتی ہے بلکہ علاقائی خودمختاری کے جذبے کو بھی اجاگر کرتی ہے (Abbasi, 1992)۔

راجا اگہم: لوہانی پرگنہ کا حکمران

راجا اگہم، رائے سہیراس کے بیٹے رائے سہاسی کے دور میں سندھ کے جنوبی علاقے "لوہانی پرگنہ" کا حکمران تھا، جس کا مرکز برہمن آباد تھا۔ یہ علاقہ انتظامی اور ثقافتی لحاظ سے اہمیت رکھتا تھا، جہاں مقامی حکمرانوں کا اثر و رسوخ مضبوط تھا (Memon, 2001)۔

چچ کی پیش قدمی اور اطاعت کا مطالبہ

رائے خاندان سے اقتدار حاصل کرنے کے بعد، چچ سیوستان سے ہوتا ہوا لوہانی پرگنہ پہنچا، جہاں

اس نے راجا اگہم سے اطاعت کا مطالبہ کیا۔ راجا اگہم نے چچ کو ایک مکار اور فریبی حکمران سمجھتے ہوئے اطاعت کے بجائے مزاحمت کو ترجیح دی (Chachnama, trans. Daudpota, 1939)۔

جنگ اور قلعہ بندی

راجا اگہم کی مزاحمت ایک سال تک جاری رہی، جس دوران اس نے لوہانی قلعے کی مضبوطی کی۔ یہ قلعہ بندی سندھ کی مقامی خودمختاری کے علامتی دفاع کی صورت اختیار کر گئی۔ جنگ کے اختتام پر راجا اگہم وفات پا گیا، اور اس کے بیٹے نے چچ کی حکمرانی کو تسلیم کر لیا، جس سے نئے حکومتی نظام کا استحکام ممکن ہوا (Shaikh, 2010)۔

تاریخی اور سیاسی تجزیہ

راجا اگہم کی مزاحمت سندھ کے سیاسی شعور اور خودمختاری کے جذبے کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ اقتدار کی تبدیلی صرف فوجی یا انتظامی عمل نہیں تھی، بلکہ اس میں اخلاقی، ثقافتی اور علاقائی عناصر بھی شامل تھے (Ansari, 1985)۔ چچ کی حکمرانی کی بالآخر قبولیت سیاسی مفاہمت اور استحکام کی علامت بن گئی۔

نتیجہ

راجا اگہم کی مزاحمت سندھ کی تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جو اقتدار، وفاداری اور علاقائی شناخت کے درمیان کشمکش کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ واقعہ نہ صرف تاریخی اہمیت رکھتا ہے بلکہ جدید سندھی شعور کے لیے بھی ایک سبق ہے کہ مزاحمت اور مفاہمت دونوں کی اپنی جگہ ہے۔

References

- Abbasi, M. A. (1992). *Sindh: A Cultural History*. Karachi: Sindh Historical Society.
- Ansari, G. H. (1985). *Political Transitions in Early Sindh*. Hyderabad: Sindh Academy.
- Chachnama (trans. Daudpota, M. H.). (1939). *The Chachnama: An Ancient History of Sindh*. Delhi: Royal Asiatic Society.
- Memon, N. A. (2001). *Urban Centers of Ancient Sindh*. Jamshoro: University of Sindh Press.
- Shaikh, S. (2010). *Resistance and Accommodation: Sindh's Local Rulers under Early Muslim Rule*. Lahore: South Asian Studies Institute.

راجا داہر: سندھ کا آخری برہمن حکمران

خلاصہ

راجا داہر سندھ کی تاریخ کا ایک اہم اور آخری برہمن حکمران تھا، جس نے 681ء سے 712ء تک سندھ پر حکومت کی۔ اپنے دورِ حکومت میں اس نے سیاسی، انتظامی اور معاشی ڈھانچوں کو مضبوط بنایا۔ راجا داہر اپنی بہادری، انصاف اور اصول پسندی کی وجہ سے سندھ کی قومی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے عرب حملہ آوروں کے خلاف دلیری سے اپنی سرحدوں کا دفاع کیا اور شہید ہوا، جس کے ساتھ ہی سندھ میں برہمن خاندان کی حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا۔ اس مضمون میں راجا داہر کی زندگی، حکومت، انتظامی نظام اور عربوں کے خلاف اس کی جدوجہد کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ میں برہمن خاندان ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ راجا داہر اس خاندان کا آخری حکمران تھا، جس نے تقریباً 32 سال تک سندھ پر حکومت کی۔ اس کا دور استحکام اور خوشحالی کا زمانہ تھا، تاہم عرب فتوحات کے نتیجے میں اس خاندان کی حکومت ختم ہوگئی (Lambrick, 1976)۔

برہمن خاندان کی حکمرانی کا پس منظر

برہمن خاندان نے 632ء میں سندھ پر اقتدار حاصل کیا، جب رائے سہاسی کی وفات کے بعد اس کا وزیر چچ حکمران بن بیٹھا۔ چچ نے تقریباً 40 سال حکومت کی اور سندھ کی قدیم سرحدوں کو دوبارہ بحال کیا۔ راجا داہر، چچ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، جو اپنے چچا راجا چندر کی وفات کے بعد 681ء میں تخت پر بیٹھا (Panhwar, 1983)۔

راجا داہر کی حکومت

راجا داہر کی حکومت دانشمندی، جرات اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں سے بھرپور تھی۔ اس نے سندھ کو چار صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے میں قابل گورنر مقرر کیے۔ اس کا دارالحکومت ’الور‘ (اروڑ) تھا۔ معاشی طور پر سندھ اس کے دور میں خوشحال تھا۔ دیبل بندر ایک اہم تجارتی مرکز تھا، جہاں سے چین اور کشمیر کے تجارتی راستے سندھ سے جڑتے تھے (Pathan, 1991)۔

عدالتی اور انتظامی نظام

پٹھان (1991) کے مطابق، راجا داہر نے ایک منظم عدالتی نظام قائم کیا۔ عدالتیں تین درجوں پر مشتمل تھیں: کُلاس، سرپناس اور گناس، جبکہ بادشاہ خود سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت رکھتا تھا۔ فیصلے گواہوں کے بیانات اور

درخواستوں کے بعد کیے جاتے تھے، جو انصاف کے اعلیٰ معیار کی عکاسی کرتا ہے۔

مذہبی اور سماجی حالات

راجا داہر کے دور میں بدھ مت اور جین مت کے پیروکار کثرت سے موجود تھے۔ شاہی دربار میں بدھ علماء اور پیروکاروں کو خاص مقام حاصل تھا۔ سماجی سطح پر مذہبی رواداری اور ہم آہنگی موجود تھی، جس کی وجہ سے سلطنت میں امن اور خوشحالی قائم رہی (Aslam, 2005)۔

عربوں کے حملے اور آخری جنگ

عربوں نے سندھ پر 14 ناکام حملے کیے۔ بالآخر 712ء میں حجاج بن یوسف کے حکم پر محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا۔ راجا داہر نے اپنی فوج کے ساتھ دلیری سے مقابلہ کیا، مگر شہید ہوگیا۔ اس کی شہادت کے ساتھ ہی سندھ میں برہمن خاندان کی حکمرانی ختم ہوئی اور عرب حکومت قائم ہوگئی (Baladhuri, 1988)۔

نتیجہ

راجا داہر سندھ کی تاریخ میں قومی غیرت، بہادری اور اصول پسندی کی علامت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنے اقتدار کو عوام کی فلاح کے لیے استعمال کیا اور بیرونی حملہ آوروں کے خلاف دلیری سے اپنی سرزمین کا دفاع کیا۔ اس کا دور سندھ کی سیاسی، معاشی اور سماجی ترقی کا آئینہ دار تھا، جو سندھ کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

References

- Aslam, M. (2005). *History of Sindh*. Karachi: Sindhica Academy.
- Baladhuri, A. (1988). *Futuh al-Buldan* (P. K. Hitti, Trans.). Lahore: Islamic Book Foundation. (Original work published 1916).
- Lambrick, H. T. (1976). *Sindh: A General Introduction*. Karachi: Oxford University Press.
- Panhwar, M. H. (1983). *Chronological Dictionary of Sindh*. Jamshoro: Institute of Sindhology.
- Pathan, M. (1991). *Sindh Ji Tareekh*. Hyderabad: Sindh University Press.

چھٹو آمراٹي: ایک تاریخی اور صوفیانہ جائزہ

خلاصہ

یہ مضمون سندھ کے مشہور صوفی بزرگ **چھٹو آمراٹي** کے بارے میں تاریخی اور صوفیانہ روایات کا سادہ لیکن علمی جائزہ پیش کرتا ہے۔ ان کی شناخت، زندگی اور دورِ حکومت کے بارے میں مختلف اور بعض اوقات متضاد روایات موجود ہیں۔ اس مطالعے میں ان روایات کو تاریخی ماخذ، صوفیانہ قصے، سیاسی حالات اور مقبروں کے آثار کے ذریعے پرکھا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ چھٹو آمراٹي کی اصل شخصیت اب بھی محققین کے درمیان بحث کا موضوع ہے، لیکن ان کا مقبرہ

اور اس پر موجود کتبہ ان کے تاریخی وجود کی سب سے معتبر علامت ہیں۔

تعارف

سندھ کی روحانی تاریخ میں کئی صوفی بزرگ عوامی عقیدت کے مرکز رہے ہیں (Ansari, 1992)۔ ان میں **چھٹو آمراٹي** بھی ایک نمایاں نام ہے۔ بعض ماخذات انہیں **رائے خاندان** (450–642ع) کا امیر قرار دیتے ہیں (Al-Baladhuri, n.d./Hitti, Trans.)، جبکہ بعض کے مطابق وہ **سومرا قبیلے** کے تھھیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے (Shaikh, 1978)۔

یہ مضمون درج ذیل سوالات پر روشنی ڈالتا ہے:

1. چھٹو آمراٹي کی اصل شناخت کیا تھی؟
2. ان کی زندگی اور وفات کس تاریخی دور سے تعلق رکھتی ہے؟
3. عوامی قصے کس حد تک تاریخی طور پر معتبر ہیں؟
4. ان کے مزار اور تعمیری نشانیوں سے کیا نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں؟

اصل و نسب کے بارے میں روایات

- **رائے خاندان سے تعلق:** بعض مؤرخین کے مطابق چھٹو آمراٹي رائے خاندان کے امیروں

میں سے تھے (Al-Baladhuri, n.d./Hitti, Trans.)۔

- **سومرا قبیلے سے تعلق:** دیگر مؤرخین کے مطابق وہ سومرا قبیلے کے تھہیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے (Shaikh, 1978)۔

یہ تضاد ظاہر کرتا ہے کہ ان کی اصل شناخت پر حتمی رائے دینا ممکن نہیں۔

عباسی دور اور تاریخی تضاد

کچھ روایات کے مطابق چھٹو آمراٹي عباسی دور (750ع کے بعد) میں زندہ تھے اور انہوں نے حج بھی کیا (Channa, 2005)۔ اگر یہ درست ہے تو ان کا رائے خاندان سے تعلق ممکن نہیں رہتا کیونکہ وہ خاندان 642ع میں ختم ہو گیا تھا۔

کچھ دیگر روایات کے مطابق ان کی وفات دسویں یا گیارہویں صدی عیسوی میں ہوئی، جو ان کا عباسی دور سے تعلق مزید مضبوط کرتی ہیں۔

عوامی قصے اور تنقیدی تجزیہ

ایک مشہور عوامی قصے کے مطابق **راجا دلورائے** نے چھٹو آمراٹي کی بیوی پر نظر ڈالی، تو بزرگ نے بددعا دی اور شہر زلزلے سے تباہ ہو گیا (Buriro, n.d.)۔

- تاریخی اعتبار سے عباسی دور میں سندھ پر مسلمان گورنر حکمران تھے، اس لیے کسی ہندو راجا کا اتنا اثر و رسوخ ہونا ممکن نہیں (Bhatti, 1990)۔
- اس قصے کا مقصد صوفی بزرگ کی روحانی عظمت کو اجاگر کرنا معلوم ہوتا ہے، نہ کہ تاریخی حقیقت کو (Eaton, 1984)۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حج کے دوران چھٹو آمراڻي نے ایک عرب عورت سے قرآن و علم حاصل کیا اور بعد میں اس سے شادی کی (Channa, 2005)، مگر اس کا کوئی مستند ثبوت نہیں۔

مقبرہ اور تعمیری اہمیت

- چھٹو آمراڻي کا مزار **سیہون** میں انڈس ہائی وے اور ریلوے لائن کے قریب واقع ہے۔
- مغل دور میں، خاص طور پر شاہجہان (1628–1658ع) کے زمانے میں، سیہون کے حاکم **دین دار شاہ** نے اس پر گنبد تعمیر کرایا (Buriro, n.d.)۔
- مزار پر کندہ فارسی کتبے ان کے تاریخی وجود کا معتبر ثبوت ہے۔

نتیجہ

- چھتو آمراٹي کی اصل شناخت تضاد کا شکار ہے۔
- ان کا تعلق عباسی دور سے زیادہ قرینِ قیاس ہے، جبکہ رائے خاندان سے نسبت کمزور لگتی ہے۔
- عوامی قصے، مثلاً راجا دلورائے والا، تاریخی حقیقت کے بجائے صوفیانہ تخیل کی پیداوار معلوم ہوتے ہیں۔
- ان کا مزار اور مغلیہ دور کی تعمیرات ان کے وجود کے معتبر تاریخی شواہد ہیں۔

References

- Al-Baladhuri, A. (n.d.). *Futuh al-Buldan* (P. K. Hitti, Trans.). Beirut: Dar al-Kutub al-Ilmiyya.
- Ansari, S. F. D. (1992). *Sufi saints and state power: The Pirs of Sind, 1843–1947*. Cambridge University Press.
- Bhatti, H. (1990). *Sindh jo Sufi Itihaas*. Karachi: Sindh University Press.
- Buriro, K. M. (n.d.). *Sewhan Sadiyun Khaan*. Hyderabad: Sindhica Academy.
- Channa, A. R. (2005). *Sufi traditions of Sindh*. Karachi: Oxford University Press.

- Eaton, R. M. (1984). *Sufis of Bijapur, 1300–1700: Social roles of Sufis in medieval India*. Princeton University Press.
- Shaikh, A. M. (1978). *History of Sindh*. Karachi: Royal Book Company.

شاہ عنایت شہید: سندھ میں اشتراکی زراعت اور انقلابی صوفی تحریک

خلاصہ

شاہ عنایت شہید (1655–1718ع) سندھ کے ایک انقلابی صوفی، مفکر اور کسان رہنما تھے۔ انہوں نے اپنے وقت کے جاگیردارانہ استحصالی نظام کو چیلنج کیا اور عملی طور پر *’’جو کيڙي سو کائي‘‘* کے اصول کو نافذ کرتے ہوئے اجتماعی کھیتی کا نظام قائم کیا۔ یہ مقالہ ان کی زندگی، فکری پس منظر، فلسفیانہ اثرات، اشتراکی کھیتی کے قیام، مغلیہ حکام اور مقامی جاگیرداروں سے تصادم اور بالآخر شہادت کا جائزہ لیتا ہے۔ اس مطالعہ میں شاہ عنایت کی جدوجہد کو اس دور کے سماجی و سیاسی حالات، مغل سلطنت کے زوال، جاگیردارانہ استحصال اور عوامی غربت کے پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جھوک شریف میں قائم کردہ ان کا تجربہ جنوبی ایشیا کی تاریخ میں ایک نادر سماجی و معاشی ماڈل تھا جسے بعد ازاں روس کے ٹالسٹائی کے کمیونز اور فرانس کے پیرس کمیون سے تقابل کیا جا سکتا ہے۔

تعارف

سندھ صوفیاء، رواداری اور عوامی تحریکن کی سرزمین رہی ہے۔ انہی شخصیات میں سب سے نمایاں شاہ عنایت شہید ہیں جنہوں نے روحانی صوفی فکر کو ایک انقلابی سماجی و سیاسی مشن سے جوڑ دیا۔ انہوں نے مذہبی قدامت پرستی اور جاگیردارانہ استحصال دونوں کو للکارا اور جنوبی ایشیا میں کسانوں کے اولین رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں (Manjhi, 2005)۔

تاریخی پس منظر

مغلیہ سلطنت کا زوال

شاہ عنایت کے عہد میں مغلیہ سلطنت زوال کا شکار ہو چکی تھی۔ اورنگزیب عالمگیر (1658–1707ع) کی طویل اور سخت حکمرانی کے بعد سلطنت کمزور ہو گئی۔ فرخ سیر (1713–1719ع) کے دور میں سیاسی عدم استحکام اور جاگیردارانہ بدعنوانی میں اضافہ ہوا (Lakhan, 1980)۔

سندھ کی سیاسی صورتحال

سندھ میں کلہوڑے حکمران مغلوں کے ماتحت برائے نام اقتدار رکھتے تھے۔ مقامی نواب، جاگیردار

اور پیر سیاسی طاقت پر قابض تھے اور کسانوں کا شدید استحصال کرتے تھے (Manjhi, 2005)۔

سماجی و معاشی حالات

اس دور کے سماجی و معاشی حالات شدید ناہمواری کے شکار تھے۔ زمینیں جاگیرداروں کے قبضے میں تھیں جبکہ کسان موروثی غلامی کے قریب زندگی بسر کرتے تھے۔ فصل میں ان کا حصہ اتنا کم تھا کہ بمشکل گزر بسر ہو پاتا۔ ایسے ماحول میں شاہ عنایت کا نعرہ *’’جو کرے سو کھائے‘‘* کسانوں کے لئے امید اور بغاوت کی علامت تھا (Dahyi, 1969)۔

فکری اور فلسفیانہ پس منظر

شاہ عنایت نے ابتدائی تعلیم ملتان میں حاصل کی اور بعد ازاں برہان پور میں سید عبد المالک سے اکتسابِ علم کیا۔ یہاں انہیں اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ یونانی، فارسی، ہندی اور چینی فلسفے سے بھی روشناس ہونے کا موقع ملا۔ ان پر مزدک کے مساواتی خیالات، سقراط اور افلاطون کی عقلی جستجو اور کنفیوشس کے اخلاقی اصولوں کا گہرا اثر ہوا (Lakhan, 1980)۔ ان کی فکر دراصل صوفی انسانیت پسندی اور انقلابی مساوات کا امتزاج تھی۔

اجتماعی کھیتی اور جھوک کمیون

شاہ عنایت نے پہلے ٹھٹھہ میں زمین تقسیم کر کے اجتماعی کھیتی کا تجربہ کیا۔ بعد ازاں جھوک شریف میں ایک بڑا مرکز قائم کیا جہاں زمین کو اجتماعی ملکیت تصور کیا جاتا اور پیداوار برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوتی۔ یہ نظام نہ صرف جاگیردارانہ ڈھانچے کو چیلنج کرتا تھا بلکہ کسانوں میں طبقاتی شعور بھی بیدار کرتا تھا (Manjhi, 2005)۔

جاگیرداروں اور ملاؤں کی مخالفت

شاہ عنایت کے کامیاب ماڈل نے جاگیرداروں اور قدامت پرست علما کو خوفزدہ کر دیا۔ بلڑی کے سید عبد الواسی اور زمیندار نور محمد پلیجو نے ان کے خلاف محاذ کھولا۔ فتوے بیچنے والے علما نے انہیں ’’باغی‘‘ اور ’’گمراہ‘‘ قرار دیا۔ ٹھٹھہ کے نواب اعظم خان نے فرخ سیر سے اجازت لے کر ان پر فوجی چڑھائی کی (Lakhan, 1980)۔

جھوک کی جنگ اور شہادت

مغل فوجوں، کلہوڑہ حکمرانوں اور مقامی جاگیرداروں نے جھوک کا محاصرہ کر لیا۔ چار ماہ تک سخت مزاحمت کے بعد دشمن دھوکہ دہی پر اتر آیا۔ میر شہداد تالپور قرآن اٹھا کر مذاکرات

کے بہانے داخل ہوا اور دھوکے سے شاہ عنایت کو گرفتار کرایا۔ 7 جنوری 1718ع کو شاہ عنایت اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا۔ ان کا سر دہلی بھیجا گیا اور بعد ازاں جھوک میں تدفین ہوئی (Manjhi, 2005)۔

عالمی اہمیت اور تقابلی جائزہ

شاہ عنایت کا تجربہ عالمی سطح پر منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اسے روس میں ٹالسٹائی کے کمیونز اور 1871ء کے پیرس کمیون سے تقابل کیا جا سکتا ہے۔ نوم چومسکی (2001) کے مطابق پیرس کمیون پر تو دنیا بھر میں تحقیق ہوئی، مگر شاہ عنایت کی اس عظیم انقلابی تحریک کو جنوبی ایشیا کے مؤرخین نے نظرانداز کیا۔ ان کی جدوجہد میں تقریباً 25 ہزار پیروکار، جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، شہید ہوئے، جو ایشیا کی اولین کسان اور اشتراکی تحریکن میں سے ایک ہے۔

نتیجہ

شاہ عنایت شہید صرف ایک صوفی بزرگ نہیں تھے بلکہ ایک انقلابی رہنما تھے جنہوں نے جاگیردارانہ استحصال سے پاک معاشرے کا تصور پیش کیا۔ ان کا اجتماعی کھیتی کا نظام صوفی مساواتی فکر پر مبنی ایک عملی ماڈل تھا۔ ان

کی شہادت اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ کس طرح سلطنت اور جاگیردارانہ طاقتیں عوامی تحریکوں کو کچل دیتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کا نعرہ اور جدوجہد آج بھی کسان تحریکوں کے لیے حوصلہ اور رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

References

- Chomsky, N. (2001). *Reflections on Power and Resistance*. Boston: South End Press.
- Dahyi, G. M. (1969). *Paigham-e-Latif* [Message of Latif]. Karachi: Mehran Academy.
- Lakhan, H. B. (1980). *Tasawwuf ain Sindh ji Inqilabi Tehreekoon* [Sufism and Revolutionary Movements in Sindh]. Hyderabad: Sindh University Press.
- Manjhi, M. A. (2005). *Sindh ji Samaji Tareekh* [Social History of Sindh]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

سوڈھو کرنہجی: تھرپارکر کی بغاوت کا مہندار

خلاصہ

سوڈھو کرنہجی، ننگرپارکر کا راجپوت حاکم، 1859ء میں تھرپارکر میں انگریزوں کے خلاف برپا ہونے والی بغاوت کا مرکزی رہنما تھا۔ 1843ء میں سندھ پر برطانوی قبضے کے بعد، نوآبادیاتی حکومت نے دباؤ، زمینوں کی تقسیم اور نئے قوانین کے ذریعے اپنا اثرورسوخ قائم کرنے کی کوشش کی۔ تاہم، سوڈھا راجپوتوں نے ان پالیسیوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ نتیجتاً 1859ء میں کارونجھر کے مقام پر ایک شدید بغاوت ہوئی جس میں مقامی کولہی، میگھواڑ اور دیگر برادریوں نے حصہ لیا۔ اس مقالے میں سوڈھو کرنہجی کی بغاوت، انگریزوں کے خلاف جنگ، قید و گرفتاری، ساتھیوں کی قربانیاں اور مقامی مزاحمتی تحریک کا تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تمہید

1857ء کی ہندوستانی بغاوت کے بعد سندھ میں بھی برطانوی قوانین کے خلاف مزاحمتی تحریکیں ابھریں۔ ان تحریکوں میں سب سے نمایاں تھرپارکر کے حاکم سوڈھو کرنہجی کی قیادت میں ہونے والی بغاوت تھی، جس نے نہ صرف انگریزی قوانین کو مسترد کیا بلکہ مقامی آبادی کو مجتمع

کرکے مسلح جدوجہد بھی منظم کی (Burton, 1877)۔

انگریزی پالیسیاں اور سوڈھوں کی ناراضگی

1843ء میں سندھ پر قبضے کے بعد انگریزوں نے زمینداروں اور سرداروں کو دباؤ اور انعامات کے ذریعے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی (Hughes, 1874)۔ تھرپارکر میں پولیٹیکل ایجنٹ ٹروٹ نے ریونیو سروے، جرمانے اور زمینوں کے تنازعات میں مداخلت کرکے سوڈھوں کو تنگ کیا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں انگریزی حکومت کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوئی۔

بغاوت کی شروعات

15 اپریل 1859ء کو سوڈھو کرنےجی نے اپنے بھائی بھوپت سنگھ، ویرواہ کے راجپوت لاڈھو سنگھ اور بھیڑانی کے راجپوت کلجی سوڈھو کے ساتھ انگریزوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا (Lakhou, 1996)۔ اس تحریک میں ہزاروں کولہی اور دیگر برادریوں نے حصہ لیا۔ بغاوت کے ابتدائی مرحلے میں پولیس تھانوں، ریونیو دفاتر اور سرکاری خزانے پر حملے کیے گئے جبکہ ٹیلیگراف لائنیں کاٹ کر رابطے منقطع کر دیے گئے۔

کارونجھر کی جنگ

یکم مئی سے 3 مئی 1859ء تک کارونجھر کے مقام پر سوڑھا فوج اور انگریزی فوج کے درمیان شدید جھڑپیں ہوئیں۔ "چندن گڑھ" نامی قلعہ کو توپوں سے تباہ کر دیا گیا (Hughes, 1874)۔ سوڈھوں نے شجاعت سے مقابلہ کیا مگر انگریز فوج کی بڑی تعداد اور جدید اسلحہ کے باعث پسپا ہونا پڑا۔ کلجی سوڈھو جنگ میں شہید ہوئے جبکہ سوڈھو کرنہجی اور لاڈھو سنگھ گرفتار ہوگئے۔

قیدخانہ پر حملہ اور دوبارہ مزاحمت

لاڈھو سنگھ کے بیٹے ادھ سنگھ نے حیدرآباد کی جیل پر حملہ کرکے سوڈھو کرنہجی اور دیگر ساتھیوں کو آزاد کروایا۔ باغیوں نے دوبارہ پولیٹیکل ایجنٹ ٹروٹ پر حملہ کیا۔ اس مرحلہ میں روپلو کولہی نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اس پر شدید اذیتیں ڈالی گئیں، حتیٰ کہ اس کی انگلیوں کو تیل اور آگ سے جلایا گیا، مگر اس نے سوڈھو کرنہجی کا پتا دینے سے انکار کیا اور بالآخر پھانسی پر چڑھا (Burton, 1877)۔

سوڈھو کرنہجی کی گرفتاری

بالآخر سیٹھ موجی لوہانو اور ہنس پوری بھایو نے انعام کے لالچ میں سوڈھو کرنہجی کو انگریزوں کے حوالے کیا۔ قید میں بھی سوڈھو کرنہجی اور لاڈھو سنگھ نے جاگیریں اور بنگلے قبول کرنے سے انکار کیا اور صرف ایک ہی شرط رکھی کہ پارکر

سے انگریزی قوانین ختم کیے جائیں (Sorley, 1938)۔

مقدمہ اور سزا

1860ء میں سوڈھو کرنہجی اور اس کے وزیروں پر بغاوت کا مقدمہ چلا اور انہیں 14 سال قید کی سزا دی گئی۔ ان کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں جبکہ انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو زمینیں اور انعامات دیے گئے (Hughes, 1874)۔ اگرچہ یہ بغاوت فوجی طور پر ناکام ہوئی، مگر سندھ کی آزادی کی تحریک میں ایک تاریخی سنگ میل ثابت ہوئی۔

نتیجہ

سوڈھو کرنہجی کی قیادت میں بغاوت سندھ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جو برطانوی راج کے خلاف مقامی مزاحمت اور آزادی کی خواہش کی علامت ہے۔ کارونجھر کی جنگ، کلجی سوڈھو کی شہادت اور روپلو کولہی کی قربانی سندھ کے عوام کی جرات اور عزم کا مظہر ہے۔

References

- Burton, R. F. (1877). *Sindh and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: W. H. Allen & Co.

- Hughes, A. W. (1874). *Gazetteer of the Province of Sindh*. London: George Bell & Sons.
- Lakhou, G. M. (1996). *Saman Ji Saltanat (The Samma Dynasty)*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Sorley, H. T. (1938). *Shah Abdul Latif of Bhit*. London: Oxford University Press.

ہوش محمد شیدی: تالپور عہد کا قومی ہیرو اور جنرل

خلاصہ

یہ مقالہ **ہوش محمد شیدی** (1801–1843) کی زندگی، عسکری کردار اور تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ تالپور سلطنت کے ایک مشہور جنرل تھے جنہوں نے 1843ء میں **جنگِ**

ڈَبی میں جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کا مشہور نعرہ *"مرسوں مرسوں، سندھ نہ دیسوں"* سندھ کی قومی مزاحمت اور حب الوطنی کی علامت بن گیا۔ یورپی بالخصوص فرانسیسی فوجیوں سے توپ خانے کی تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ تالپور فوج میں شامل ہوئے اور بہادری کے ساتھ برطانوی استعمار کے خلاف لڑے۔ ان کی قربانی اور نعرہ آج بھی سندھ کی اجتماعی یادداشت کا حصہ ہے۔

تمہید

تالپور دور (1783–1843) سندھ کی سیاسی اور عسکری تاریخ کا اہم باب ہے۔ اس دور میں **ہوش محمد شیدی**، جنہیں عام طور پر *ہوشو شیدی* کہا جاتا ہے، سندھ کے اُن تاریخی کرداروں میں شامل ہیں جنہوں نے انگریزی استعمار کے خلاف جرات اور قربانی کی لازوال مثال قائم کی۔ ان کا نعرہ *"مرسوں مرسوں، سندھ نہ دیسوں"* آج بھی سندھ کی قومی شناخت اور آزادی کی جدوجہد کی علامت سمجھا جاتا ہے (Alana, 1970)۔

زندگی اور پس منظر

ہوش محمد کی پیدائش کے حوالے سے مختلف آراء موجود ہیں:

- الانا (1970) کے مطابق ان کی پیدائش **1801ء** میں ہوئی۔
- کاچھیلوی (1980) کے مطابق ان کی پیدائش تقریباً **1782ء** میں ہوئی۔

برٹن (1851) کے مطابق ہوشو نسلی طور پر ماں کی طرف سے شیدی اور باپ کی طرف سے قمبرانی تھے۔ توپ خانے کی مہارت انہوں نے فرانسیسی فوجیوں سے حاصل کی اور بعد ازاں مسقط سے سندھ آکر تالپور فوج میں شامل ہوئے (Napier, 1845)۔

عسکری کردار

ہوش محمد 1811ء کے لگ بھگ میر فتح علی خان تالپور کے دربار میں داخل ہوئے اور جلد ہی شہزادوں، خصوصاً میر صوبدار خان کے فوجی استاد مقرر ہوئے۔ ان کی عسکری مہارت اور شجاعت نے انہیں اعلیٰ مقام دلایا۔

- **جنگِ میانی (1843):** میر صوبدار خان کی انگریزوں سے ساز باز کے باوجود ہوشو شیدی نے میر نصیر خان تالپور کا ساتھ دیا اور انگریزوں کے خلاف بہادری سے لڑے (Napier, 1845)۔
- **جنگِ ڈَبی (24 مارچ 1843):** اس جنگ میں ہوش محمد شیدی سپہ سالار کے طور پر پیش پیش رہے۔ بارود ختم ہونے کے باوجود انہوں نے تلوار کے ساتھ آخری دم تک

جنگ لڑی اور شہادت پائی۔ اسی جنگ میں انہوں نے تاریخ ساز نعرہ بلند کیا: *"مرسون مرسون، سندھ نہ دیسون"* (Burton, 1851)۔

شہادت اور ورثہ

ہوش محمد شیدی جنگِ ڈَبی میں انگریز فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ان کے مدفن کے حوالے سے مختلف روایات ہیں:

- بعض مؤرخین کے مطابق ان کی تدفین **پکا قلعہ (حیدرآباد قلعہ)** میں ہوئی۔
- جبکہ بعض کے نزدیک ان کی قبر جنگِ ڈَبی کے میدان میں ہے۔ (Napier, 1845)۔

بقول بلوچ (1990)، ان کی اولاد آج بھی سندھ میں آباد ہے۔ ہوش محمد شیدی کو سندھ میں قومی ہیرو اور مزاحمت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ان کی یاد میں حیدرآباد میں ایک **فلائی اوور اور یادگار** قائم کی گئی ہے۔

نتیجہ

ہوش محمد شیدی صرف ایک جری جنرل ہی نہیں بلکہ سندھ کی قومی شناخت اور آزادی کی علامت ہیں۔ ان کا نعرہ *"مرسون مرسون، سندھ نہ دیسون"* اور جنگِ ڈَبی میں ان کی شہادت

سندھ کی اجتماعی تاریخ کا لازمی حص□ □□□
مزید تحقیقی کام ان کی شخصیت اور ورث□ کو
ب□تر طور پر سمجھن□ میں مدد د□ سکتا □□□

References

- Alana, G. (1970). *Hosho Sheedi and Sindh’s freedom struggle*. Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Baloch, N. B. (1990). *Sindh ji Azadi ji Jaddojihad*. Hyderabad: Sindh University Press.
- Burton, R. (1851). *Sindh and the races that inhabit the valley of the Indus*. London: W. H. Allen & Co.
- Kachhelvi, M. H. M. (1980). *Shaheed Sindh General Hosho Sheedi*. Karachi: Mehran Publishers.
- Napier, W. (1845). *Conquest of Sindh*. London: Chapman & Hall.

شاہ بہارو: کَلہوڑا دور کا وفادار سپہ سالار

خلاصہ

یہ مقالہ کَلہوڑا سلطنت کے ممتاز سپہ سالار **شاہ بہارو** کی زندگی، عسکری خدمات اور سماجی و سیاسی کردار کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ بہارو نے اسی سے زائد معرکوں میں حصہ لیا اور ہر جنگ میں سندھ کو فتح دلائی، خصوصاً 1731ء میں قلات کے حکمران عبداللہ خان کے خلاف جنگ اور 1746ء میں کانجی کوٹ کی مہم میں۔ فوجی خدمات کے ساتھ ساتھ وہ چانڈکے کے منتظم بھی رہے جہاں انہوں نے عوامی فلاح کے منصوبے، کنوؤں، نہروں اور قلعوں کی تعمیر کرائی۔ ان کی وفات کے سال پر مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے، جب کہ

ان کا مقبرہ کَلہوڑا حکمرانوں کے حکم سے تعمیر ہوا جو آج خستہ حالی کا شکار ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ میں کَلہوڑا دور عسکری طاقت اور سیاسی استحکام کے باعث نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور کے کئی سپہ سالاروں میں **شاہ بہارو** کا نام سرفہرست ہے۔ شیخ صادق علی کے مطابق شاہ بہارو کا تعلق **جنجھٹ قبیلے** سے تھا، جو سماٹ برادری کا حصہ سمجھا جاتا ہے (Shaikh, n.d.)۔ یہ مقالہ ان کی عسکری اور سماجی خدمات کا تحقیقی جائزہ لیتا ہے۔

عسکری کردار

شاہ بہارو نے کَلہوڑا سلطنت کی جانب سے **اسی سے زائد جنگوں** میں حصہ لیا، جن میں وہ ہمیشہ کامیاب رہے (Mehr, 1957)۔

- **1731ء (1144ھ)** میں قلات کے حکمران عبداللہ خان نے سندھ پر حملہ کیا۔ شاہ بہارو نے میاں نور محمد کی طرف سے فوج کی قیادت کی۔ یہ جنگ نہایت خونریز ثابت ہوئی، جس میں عبداللہ خان مارا گیا اور

سندھ کی فوج کو فتح حاصل ہوئی (Mehr, 1957, p. 838)۔

- **1746ء (1159ھ)** میں کانجی کوٹ کی مہم میں بھی شاہ بہارو سپہ سالار مقرر ہوئے اور سندھ کو کامیابی دلائی (Qani, 1960)۔

انتظامی اور سماجی خدمات

شاہ بہارو کو کَلہوڑا حکمرانوں نے **چانڈکے کا ناظم** مقرر کیا، جہاں انہوں نے فوجی کردار کے ساتھ ساتھ عوامی فلاح کے لیے اقدامات کیے، جن میں شامل تھے:

- کنوؤں اور نہروں کی تعمیر۔
- سندھ-بلوچستان سرحد پر قلعوں اور کوٹ کی تعمیر۔
- عوامی سہولتوں اور بنیادی ڈھانچے کی ترقی (Shaikh, n.d.)۔

یہ خدمات شاہ بہارو کی عوام دوست اور منظم حکمتِ عملی کی عکاس ہیں۔

سیاسی کردار اور خاندانی اختلافات

1757ء (1170ھ) میں محمد مرادیاب خان اور میاں غلام شاہ کَلہوڑا کے درمیان اقتدار کی کشمکش شروع ہوئی۔ اس موقع پر شاہ بہارو

نے غلام شاہ کا ساتھ دیا۔ اس کے برعکس ان کے بھائی **مقصودو فقیر** مرادیاب کے حمایتی تھے، لیکن بعد میں انہوں نے وفاداری تبدیل کرکے غلام شاہ کی حمایت اختیار کی (Mehr, 1957)۔

وفات اور مقبرہ

شاہ بہارو کی وفات کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے:

- غلام رسول مہر (1957) کے مطابق وہ **1736ء (1148ھ)** میں انتقال کر گئے (p. 838)۔
- جب کہ قانع (1960) کا خیال ہے کہ وہ **1757ء (1170ھ)** تک سرگرم رہے اور اسی کے بعد دنیا سے رخصت ہوئے۔

اِن کے مقبرے کی تعمیر کے حوالے سے ہنری کَزنس (1929) لکھتے ہیں کہ یہ **1774ء (1188ھ)** میں میاں غلام شاہ کے حکم پر بنایا گیا۔ مقبرے کے دروازے پر عمدہ لکڑی کی نقش و نگار اور ایک نفیس شمعدان نمایاں ہیں، جو صرف میاں نور محمد کَلہوڑا کے مقبرے میں بھی موجود ہیں (pp. 159–160)۔ امکان ہے کہ تعمیر کا آغاز غلام شاہ کے حکم پر ہوا، لیکن تکمیل میاں سرفراز کے دور میں ہوئی۔ آج یہ مقبرہ خستہ حالی کا شکار ہے اور گرنے کے قریب ہے۔

نتیجہ

شاہ بہارو کلہوڑا سلطنت کے ایک وفادار اور دلیر سپہ سالار تھے جنہوں نے جنگی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ سماجی خدمات بھی انجام دیں۔ سندھ کے دفاع اور استحکام میں ان کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ ان کا مقبرہ آج سندھ کے تاریخی ورثے کی علامت ہے، مگر اس کی زبوں حالی فوری تحفظ اور بحالی کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہے۔

References

- Cousens, H. (1929). *The antiquities of Sindh*. Calcutta: Government of India Press.
- Mehr, G. R. (1957). *Tarikh-e-Kalhora* (Vol. 2). Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Qani, M. (1960). *Tarikh-e-Sindh*. Hyderabad: Mehran Publication.
- Shaikh, S. A. (n.d.). *Writings on Sindhi tribes* [Unpublished manuscript].

بودلو سمیجو: مغل سلطنت کے خلاف سندھ کی قبائلی مزاحمت کا علمبردار

سندھ پر مغل قبضے کا تاریخی پس منظر

مغل سلطنت نے سندھ پر مرحلہ وار قبضہ کیا۔ شہنشاہ اکبر کے دور میں سندھ کو ایک متحد صوبہ بنانے کے بجائے مختلف انتظامی اکائیوں میں تقسیم کیا گیا—جیسے بکر، سیہون، ٹھٹھہ اور سبی۔ ان علاقوں میں مغل عملدار مقرر کیے گئے جن کا کام خراج وصول کرنا، قبائلی نظم و ضبط قائم رکھنا، اور دہلی کے احکامات نافذ کرنا تھا (Mujtaba, 1982)۔ تاہم، مقامی قبائل جیسے سمیجا، انڑ اور دیگر، مغلوں کے استحصالی نظام کے خلاف مزاحمت کرتے رہے۔

بودلو سمیجو کی قیادت میں مزاحمت

لاکاٹ کے علاقے میں سمیجا قبیلے کے سردار بودلو سمیجو تھے۔ نواب بختیار بیگ کے دور میں، بودلو سمیجو نے مغلوں کی خراج وصولی کی پالیسی

کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ جب نواب نے اپنا نائب لاکاٹ بھیجا تاکہ خراج وصول کرے، تو سمیجا قبائل نے اُسے قتل کر دیا، جس سے مزاحمت کا آغاز ہوا۔ یہ واقعہ مغل انتظامیہ کے لیے صرف ایک چیلنج نہیں بلکہ ایک سیاسی بغاوت کی علامت بھی تھا (Sindhiana, n.d.)۔

مغل فوجی ردِعمل اور قید

نواب بختیار بیگ نے علی خان شاملو کو لشکر دے کر لاکاٹ روانہ کیا۔ سمیجا قبائل کے ساتھ سخت جنگ کے بعد بودلو سمیجو دیگر سرداروں کے ساتھ پیش ہوئے۔ علی خان نے انہیں نواب کے پاس بھیجا، جہاں سب کو قید کر لیا گیا۔ بعد میں قاسم خان ارغون نے چوبیس ہزار روپے ضمانت کے طور پر دے کر بودلو سمیجو کو آزاد کروایا (Ansari, 1999)۔

دوبارہ مزاحمت اور مغلوں کی سختی

کچھ عرصے بعد، سمیجا اور انڑ قبائل نے دوبارہ مغل سلطنت کے خلاف کارروائیاں شروع کیں۔ اس بار بکر کا گورنر محمد علی بیگ تھا، جس نے شیر خواجہ کے لوگوں کے ساتھ مل کر لاکاٹ پر حملہ کیا۔ کئی بہادر سمیجا گرفتار ہوئے اور سبی کے پٹھانوں کو فروخت کر دیے گئے، جبکہ بودلو سمیجو کو دوبارہ گرفتار کر کے بکر کی جیل میں

قید کر دیا گیا۔ وہ دو سال قید میں رہنے کے بعد رہا ہوئے (Chachnama, trans. Kalich Beg, 1900)۔

بودلو سمیجو کی میراث

بودلو سمیجو کا کردار سندھ کی قبائلی مزاحمت، سیاسی خودمختاری، اور مغل استحصالی نظام کے خلاف جدوجہد کی علامت ہے۔ ان کی بہادری، وفاداری اور قربانی سندھ کے تاریخی شعور کا حصہ بن چکی ہے۔ وہ ان سرداروں میں شامل تھے جنہوں نے اپنے قبیلے کی عزت، زمین اور آزادی کے لیے مغل سلطنت کے سامنے بے مثال مزاحمت کی۔

References

- Ansari, M. R. (1999). *History of Sindh: From the earliest times to the Arab conquest*. Karachi: Sindh Historical Society.
- Chachnama. (1900). Translated by Mirza Kalich Beg. Karachi: Sindh Government Press.
- Mujtaba, H. (1982). *Sindh: A cultural history*. Hyderabad: Institute of Sindhology.

- Sindhiana. (n.d.). *بودلو سميجو*. Retrieved from https://sindhiana.org

سمعہ بن دیوائج: دیبل کا محافظ اور سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا پہلا باب

دیبل کا تاریخی پس منظر

دیبل، سندھ کا سمندری دروازہ، قدیم زمانے سے تجارت، ثقافت اور مذہب کا مرکز رہا ہے۔ یہاں بدھ مت کے مندر، ہندو تاجر، اور مقامی قبائل کے دفاتر موجود تھے۔ دیبل کی بندرگاہ کے ذریعے سندھ کا چین، ہندوستان اور عرب سے تجارتی رابطہ قائم تھا (Mujtaba, 1982)۔ اس شہر کی گورنری سمعہ بن دیوائج کے پاس تھی، جو قبائلی اتحاد اور عسکری حکمت عملی میں ماہر تھا۔

عربوں کی پہلی فوجی یلغار

636ء میں، خلافتِ راشدہ کے دور میں، عمان کے گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی نے دیبل پر حملے کی منصوبہ بندی کی۔ اس نے اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاص کو فوج کے ساتھ سمندری راستے سے روانہ کیا (Al-Baladhuri, 1866)۔ عربوں کا مقصد دیبل پر قبضہ کر کے سندھ کی سمندری تجارت پر کنٹرول حاصل کرنا تھا۔

سمعہ بن دیوائج کی عسکری حکمت عملی

جب سمعہ بن دیوائج کو عربوں کی آمد کی خبر ملی، تو اس نے اپنی فوج کو منظم کیا اور دیبل کے قلعے سے باہر آ کر حملہ آوروں کا سامنا کیا۔ اس نے نہ صرف دفاعی پوزیشن سنبھالی بلکہ دشمن کو للکارا۔ جنگ کے دوران مغیرہ مارا گیا اور عرب فوج پسپا ہو کر عمان واپس چلی گئی (Ansari, 1999)۔ یہ جنگ سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا پہلا

عسکری مقابلہ تھا، جس میں مقامی قیادت نے عرب فوجی طاقت کو شکست دی۔

مزاحمت کے سیاسی و ثقافتی اثرات

سمعہ بن دیوائج کی فتح سندھ کی سیاسی خودمختاری کا ثبوت تھی۔ اس نے نہ صرف دیبل کو بچایا بلکہ عربوں کی تجارتی تسلط کی کوشش کو ناکام بنایا۔ یہ کامیابی قبائلی اتحاد، حکمت عملی اور وطن کی حفاظت کے جذبے کی مظہر تھی (Chachnama, trans. Mirza Kalich Beg, 1900)۔

سمعہ بن دیوائج کی میراث

سمعہ بن دیوائج کا نام آج بھی سندھ کی مزاحمتی وراثت میں عزت سے لیا جاتا ہے۔ وہ صرف گورنر نہیں بلکہ قومی محافظ تھا، جس نے عربوں کی فوجی یلغار کے سامنے سندھ کی عزت اور خودمختاری کا دفاع کیا۔ اس کا کردار سندھ کے تاریخی شعور، قومی شناخت اور مزاحمتی روایت کی بنیاد بن گیا۔

References

- Al-Baladhuri. (1866). *Futuh al-Buldan* (E. J. Payne, Trans.). London: Oriental Translation Fund.

- Ansari, M. R. (1999). *History of Sindh: From the earliest times to the Arab conquest*. Karachi: Sindh Historical Society.
- Chachnama. (1900). Translated by Mirza Kalich Beg. Karachi: Sindh Government Press.
- Mujtaba, H. (1982). *Sindh: A cultural history*. Hyderabad: Institute of Sindhology.

سائینداد کلمتي: سندھ کا ایک بہادر محافظ

تعارف

سائینداد کلمتي سندھ کی اُن دلیر شخصیات میں شامل تھے جنہوں نے انگریزوں کے قبضے کے خلاف اپنی دھرتی کی عزت، غیرت اور آزادی کے لیے مزاحمت کی۔ جب انگریز تجارت کے بہانے سندھ میں داخل ہوئے اور مقامی حکمرانوں کو زیر کرکے قابض ہو گئے، تب سندھ کے غیرتمند قبائل نے مختلف وقتوں میں انگریزوں کے خلاف مزاحمت کی۔ ان حملوں اور جدوجہد کے ذریعے انہوں نے اپنی وطن دوستی کا ثبوت دیا۔ انہی سورماؤں میں سائینداد کلمتي کا نام نمایاں ہے۔

ابتدائی زندگی اور مزاحمت

سائینداد کلمتي کا تعلق کراچی سے تھا۔ کلہوڑی دور کے بعد جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ جمایا، تو کلہوڑی، جوکیو اور نومڑي قبائل نے مزاحمت کی۔ سائینداد نے اپنے قبیلے کے لشکر کے ساتھ انگریز فوجیوں اور افسران پر حملے کیے۔

ان کا کردار ہوش محمد شیدی جیسا تھا، جو سندھ کے مزاحمتی ورثے کا ایک روشن ستارہ ہے۔

حیدرآباد اور کراچی میں کارروائیاں

میانی کی جنگ سے قبل، جب سندھی فوج نے حیدرآباد کے بارود خانے پر حملہ کیا، تو میر حکمرانوں نے ملیر کے جام مہر علی جوکیو، ملک احمد خان نومڙي، اور ملک ابراهیم خان ڪلمتي کو خط لکھا کہ وہ حیدرآباد آنے کے بجائے کراچی میں انگریز چھاؤنیوں پر حملہ کریں۔ ان سرداروں نے فیصلہ کیا کہ اندھا دھند قتل و غارت کے بجائے صرف انگریزوں کو نشانہ بنایا جائے۔ انہوں نے مقامی سندھیوں کو مشورہ دیا کہ جب ہم کراچی کے آس پاس کارروائی کریں، تو آپ شہر چھوڑ دیں۔ مگر نئون مل نے انگریز حکام کو سندھیوں کی نقل و حرکت کی اطلاع دے دی، جس سے منصوبہ ناکام ہو گیا۔

دُبّی کی جنگ کے بعد مزاحمت

دُبّی کی جنگ کے بعد جب انگریزوں نے سندھ پر مکمل قبضہ کر لیا اور میر حکمرانوں کو گرفتار کرکے ہندوستان روانہ کیا، تب بھی سائینداد ڪلمتي اور ان کے ساتھیوں نے مزاحمت جاری رکھی۔ چارلس نیپئر کی درخواست پر بمبئی سے تربیت یافتہ فوجی دستہ کراچی پہنچا، جو ٹھٹے کے راستے حیدرآباد جا رہا تھا۔ چاڪر خان جوکیو کی قیادت میں جوکیو، ڪلمتي اور نومڙي قبائل نے ان پر حملہ کیا، کئی فوجیوں کو ہلاک کیا اور ان

کا سامان ضبط کر لیا۔ صرف دس بارہ فوجی جان بچا کر کراچی کی چھاؤنی میں پہنچ سکے۔

جنگ بندی سے انکار

انگریزوں نے جنگ بندی کے لیے کئی کوششیں کیں، مگر تینوں سرداروں نے انکار کر دیا۔ آخرکار انگریزوں نے میر حکمرانوں کو قید کرکے جوکیو، ڪلمتي اور نومڙي قبائل کو جنگ بند کرنے پر مجبور کیا۔ سرداری نظام کے تحت سرداروں کا فیصلہ ماننا لازم ہوتا ہے، مگر سائینداد ڪلمتي اور چند ساتھیوں نے انکار کر دیا اور وطن کے لیے لڑتے ہوئے جان دینے کا فیصلہ کیا۔

آخری معرکہ اور شہادت

سائینداد ڪلمتي نے اپنے ساتھیوں—دو ڪلمتي، ایک جوکیو اور ایک چٹو—کے ساتھ سرداروں کے فیصلے کے خلاف بغاوت کی اور کہا: "سردار چاہے انگریزوں سے صلح کریں، ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ہم یا تو انگریزوں کو وطن سے نکالیں گے یا لڑتے ہوئے جان دے دیں گے۔" جب انہیں خبر ملی کہ انگریز فوجی گھارو کی طرف بڑھ رہے ہیں، تو انہوں نے دھابیجي کے قریب حملہ کیا اور اونٹ و سامان قبضے میں لے لیا۔

ایک بار انہیں اطلاع ملی کہ کچھ انگریز نئین ملیر کے کنارے سیر کر رہے ہیں۔ پانچوں ساتھی وہاں پہنچے اور دو انگریزوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایک بڑا انگریز لشکر سامنے آیا۔ صرف پانچ ساتھیوں نے اس بڑے لشکر سے بہادری سے لڑتے

ہوئے کئی انگریزوں کو مارا۔ آخرکار سائینداد کلمتي اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت 1843ء کے وسط میں ہوئی۔

مائی ڄامان: سندھ کی فیاض، دیندار اور سماجی شعور رکھنے والی خاتون

تعارف

مائی چامان سندھ کی تاریخ کی ایک باوقار اور روحانی طور پر معتبر شخصیت تھیں۔ وہ کلہوڑا حکمران میاں نور محمد کلہوڑی کی زوجہ اور میاں عبدالنبی و میاں غلام نبی کلہوڑی کی والدہ تھیں۔ ان کا مقام صرف شاہی خاندان تک محدود نہیں تھا، بلکہ ان کی سخاوت، مذہبی وابستگی اور عوامی فلاح کے لیے خدمات نے انہیں سندھ کی اجتماعی یادداشت میں ایک علامتی حیثیت عطا کی۔

نسب اور شادی

مائی چامان، ٹنڈو مٹا خان کے معروف زمیندار مٹا خان جوٹیجو کی صاحبزادی تھیں، جن کے نام پر یہ شہر مشہور ہوا۔ ان کی شادی تھر کے ممتاز عالم عبداللہ ڏيري کی وساطت سے میاں نور محمد کلہوڑی سے ہوئی (Kalhoro, n.d.)۔

سخاوت اور مذہبی تعمیرات

مائی چامان اپنی فیاضی کے لیے مشہور تھیں۔ انہوں نے سندھ کے مختلف علاقوں میں متعدد مساجد اور پانی کے کنویں تعمیر کروائے۔ خاص طور پر چوتیارین میں ایک مسجد تعمیر کی گئی جو شہر سے تقریباً ایک کلومیٹر جنوب مغرب میں "جوگین واري پٽ" نامی ریت کے ٹیلے پر واقع ہے۔ یہ مسجد علمی و روحانی مرکز بنی، جہاں میاں

مبین کیریي جیسے عالم اور مخدوم عبدالرحیم گرھوڑي کے استاد قیام پذیر رہے (Kalhoro, n.d.)۔

اس کے علاوہ انہوں نے ٹنڈو آدم–پٹ شاھه روڈ پر سوئی کنڈر، پوپي پيلي، تجل اور تلا شاھه میں بھی مساجد تعمیر کروائیں۔ ان مساجد کے ساتھ وضو اور عام لوگوں کے پینے کے پانی کے لیے کنویں بھی کھدوائے گئے (The Friday Times, 2020)۔

جاگیر اور شہری ترقی

مائی چامان کو اپنے والد کی طرف سے شاہپور چاکر کے قریب جاگیر ملی، جو ان کے جہیز میں دی گئی تھی۔ وہ کافی عرصے وہاں مقیم رہیں، اور اسی جاگیر پر میاں نور محمد کلہوڑی نے "الله آباد" نامی شہر کی بنیاد رکھی (Gehani, n.d.)۔

انہوں نے سعید آباد کے قریب "شاھو واھه" نہر کی کھدائی بھی کروائی، جو علاقے کی زرعی اور آبی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے (Kalhoro, n.d.)۔

آخری ایام اور وفات

میاں نور محمد کی وفات کے بعد مائی چامان نے مشکل دن گزارے، لیکن انہوں نے صبر و استقامت کے ساتھ اپنی زندگی کو جاری رکھا۔ ان کی آخری

آرام گاہ دولتپور کے قریب میاں نور محمد کے قبرستان میں واقع ہے (Wikipedia, n.d.)۔

نتیجہ

مائی جامان کی زندگی شاہی اثر و رسوخ اور عوامی خدمت کے امتزاج کی بہترین مثال ہے۔ ان کی مذہبی تعمیرات، پانی کی فراہمی اور شہری ترقی کے منصوبے سندھ کے روحانی اور سماجی فلاح کے لیے ان کی گہری وابستگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ سندھ کی تاریخ میں وقار، دیانت اور دائمی ورثے کی علامت کے طور پر یاد رکھی جاتی ہیں۔

References

- Gehani, M. (n.d.). *History of Sindh* [PDF]. Sindhology.org. Retrieved September 4, 2025, from https://www.sindhology.org/assets/pdf/History-of-Sindh-Page-1-to-20-Mohan-Gehani.pdf
- Kalhoro, Z. A. (n.d.). *The Kalhora Queen and Religious Architecture: The Mosques of Mai Jaman as trend setters in Late Eighteenth Century Sindh*. Academia.edu.

Retrieved September 4, 2025, from https://www.academia.edu/13242514/The_Kalhora_Queen_and_Religious_Architecture_The_Mosques_of_Mai_Jaman_as_trend_setters_in_Late_Eighteenth_Century_Sindh

- The Friday Times. (2020, January 25). *Mosques of Mai Jaman*. The Free Library. Retrieved September 4, 2025, from https://www.thefreelibrary.com/Mosques+of+Mai+Jaman.-a0612226027
- Wikipedia contributors. (n.d.). *History of Sindh*. Wikipedia. Retrieved September 4, 2025, from https://en.wikipedia.org/wiki/History_of_Sindh

رٹمل جاڑیجو: سومرا دور میں کَچھ کی مزاحمت کا ایک سورما

خلاصہ

رٹمل جاڑیجو، جاڑیجا سمہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک بہادر قبائلی رہنما تھے، جو سومرا حکومت کے دور میں کَچھ کے سرحدی علاقے میں آباد تھے۔ انہوں نے سلطان علاؤالدین خلجی کے حملہ آور لشکر کے خلاف مزاحمت کی اور شہادت حاصل کی۔ یہ مضمون سومرا حکومت، سندھ–کَچھ تعلقات، اور قبائلی مزاحمت کے تناظر میں ان کے کردار کو تاریخی حوالوں کی روشنی میں بیان کرتا ہے۔

سومرا حکومت کا پس منظر

سومرا خاندان سندھ میں عرب حکمرانی کے بعد ایک مقامی راج کے طور پر ابھرا، جس نے گیارہویں سے پندرہویں صدی تک جنوبی سندھ اور کَچھ کے کچھ علاقوں پر حکومت کی۔ ان کے

دور میں سندھی ثقافت، ادب اور سیاسی خودمختاری کو نئی زندگی ملی۔

مرزا قلیچ بیگ کے مطابق، سومرا اصل میں راجپوت تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ *سندھی انسائیکلوپیڈیا* کے مطابق، ان کے دارالحکومتوں میں ٹھٹہ، نصرپور، عمرکوٹ اور کَچھ شامل تھے، جہاں جاڑیجا، سوڈا اور بلوچ قبائل کے ساتھ ان کے تعلقات اور بعض اوقات جھڑپیں بھی ہوتی تھیں۔

سندھ–کَچھ تعلقات اور جاڑیجا قبائل کا کردار

سومرا دور میں سندھ اور کَچھ کے تعلقات صرف جغرافیائی قربت تک محدود نہیں تھے بلکہ سیاسی اور قبائلی اتحاد بھی ان میں شامل تھے۔ جاڑیجا، سوڈا اور دیگر قبائل نے سرحدی علاقوں میں سومرا حکومت کی حمایت کی۔ جب سلطان علاؤالدین خلجی کا لشکر سندھ کی طرف بڑھا، تو کَچھ کے قبائلی رہنما دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

رٹمل جاڑیجو، اس مزاحمتی روایت کے نمائندے تھے، جنہوں نے سومرا حکمران چام ابڑو کو پیغام بھیجا:

"میں ترک لشکر کے سامنے کھڑا ہوں گا۔ جب تک سانس باقی ہے، انہیں تم تک پہنچنے نہیں دوں گا۔"

یہ پیغام نہ صرف وفاداری کا اظہار تھا بلکہ استعماری جارحیت کے خلاف ایک سیاسی اعلان بھی تھا۔

شہادت اور علامتی حیثیت

رٹمل جاڑیجو نے اپنے قبیلے کے سورماؤں کو جمع کیا اور کَچھ کی راہ پر حملہ آور لشکر کا سامنا کیا۔ وہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی قربانی سومرا ریاست کے دفاع کے لیے ایک علامتی عمل بن گئی، جو آج بھی لوک ادب اور زبانی روایات میں زندہ ہے۔

نتیجہ

رٹمل جاڑیجو کا کِردار سومرا دور کی قبائلی مزاحمت، سندھ–کَچھ تعلقات، اور وفاداری کی روح کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کی داستان نہ صرف تاریخی بلکہ ثقافتی اور ادبی لحاظ سے بھی اہمیت رکھتی ہے، جسے علمی سطح پر اجاگر کرنا وقت کی ضرورت ہے۔

References

1. Qulich Beg, M. (1920). *Sindh Ji Mukhtasir Tareekh* [سندھ کی مختصر

سندھ سلامت بک ہاؤس [تاریخ]. حاصل شدہ:
https://books.sindhsalamat.com/book/949/read/50159
2. Sindhi Encyclopedia. (n.d.). *Soomra Rule in Sindh*. حاصل شدہ:
https://bing.com/search?q=سومرن+جي+حکومت+سنڌ+کچ+لاڳاپا+تاريخ
3. BhittaiPedia. (n.d.). *رٹمل جاڙیجو*. حاصل شدہ:
https://bhittaipedia.org/wiki/tag/رِٹمَلُ

راٹو رتن سنگھ سوڍو: تھر کی مزاحمتی وراثت کا تاریخی جائزہ

خلاصہ

راٹھو رتن سنگھ سوڈھو انیسویں صدی کے وسط میں تھرپارکر میں سوڈھو مزاحمتی تحریک کے نمایاں رہنما تھے۔ انہوں نے برطانوی استعماری پالیسیوں کے خلاف عوامی بغاوت کی قیادت کی۔ یہ مضمون ان کی سیاسی بصیرت، عوامی حمایت اور شہادت کو مختلف تاریخی ماخذوں کی روشنی میں بیان کرتا ہے۔

تاریخی پس منظر

1843ء میں سندھ پر برطانوی قبضے کے بعد تھرپارکر کو دو انتظامی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پارکر، ڈیپلو، مٹھی اور اسلام کوٹ کو کَچھ کے اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کے حوالے کیا گیا، جبکہ عمرکوٹ، چھاچھرو، چیلھار اور گڈڑو کو حیدرآباد سے منسلک کیا گیا (Rajput, 2023)۔

سوڈھو ریاستیں خودمختار حیثیت رکھتی تھیں اور برطانوی حکومت کو ٹیکس دینے سے انکار کرتی تھیں۔ راٹھو مہاراج نے مفاہمانہ رویہ اپنایا، لیکن ان کے سوت راٹھو رتن سنگھ سوڈھو نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ جیسا کہ Rajput (2023) لکھتے ہیں:
"راٹھو رتن سنگھ، جو دلیر اور باوقار شخص تھا، نے انگریزوں کے ناانصافی پر مبنی احکامات ماننے سے انکار کر دیا۔"

مزاحمت اور بغاوت

راٹھو رتن سنگھ نے برطانوی ٹیکس پالیسی، زمینوں پر قبضے اور ہتھیاروں پر پابندی کے خلاف عوامی تحریک چلائی۔ انہوں نے عوام کو ’راٹھوں کا پرانا قانون‘ ماننے اور سرکاری احکامات کو رد کرنے کی تلقین کی (Solanki, 1998)۔

رائچند ہریجن لکھتے ہیں: "راٹھو رتن سنگھ سوڈو ایک جوشیلے نوجوان تھے جنہوں نے سوڈوں کی عزت اور دھرتی کی حرمت کے لیے اپنی جان قربان کر دی—ان کے لیے وطن ہی سب کچھ تھا" (Harijan, 1988, ص. 112)۔

گرفتاری اور شہادت

جوڈپور کی طرف فرار کے دوران راٹھو رتن سنگھ عمرکوٹ کے قریب گرفتار ہوئے اور قلعے میں قید کیے گئے۔ 1886ء میں انہیں پھانسی دے دی گئی۔ Solanki (1998) کے مطابق: "کہا جاتا ہے کہ پھانسی سے کچھ دیر پہلے حکومت کی طرف سے معافی کا تار آیا، لیکن اسے جان بوجھ کر اس وقت تک روکا گیا جب تک پھانسی دی جا چکی تھی" (ص. 70)۔

عوامی یادداشت

ان کا وفادار گھوڑا گرفتاری کے بعد کھانا پینا چھوڑ بیٹھا اور عمرکوٹ قلعے پر چڑھنے کی کوشش میں

مر گیا۔ Rajput (2023) لکھتے ہیں: "آج بھی قلعے کے مرکزی دروازے کے برج پر گھوڑے کے سم کا نشان دیکھا جا سکتا ہے۔"

لوک ادب اور عوامی شعور

راٹو رتن سنگھ کی بہادری لوک گیتوں اور زبانی روایتوں میں زندہ ہے۔ Harijan (1988) لکھتے ہیں: "تھر کی عوامی شاعری میں سوڈوں کی مزاحمت ایک زندہ روایت کے طور پر موجود ہے" (ص. 118)۔

نتیجہ

راٹو رتن سنگھ سوڈو سندھ کی مزاحمتی تاریخ میں وفاداری، قربانی اور جرات کی علامت ہیں۔ ان کی میراث سیاسی شعور اور ثقافتی فخر کے لیے مشعلِ راہ ہے، جسے علمی اور عوامی سطح پر اجاگر کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

References

- Harijan, R. (1988). *Tareekh-e-Registan (Volume I)*. Jamshoro: Institute of Sindh Studies.

- Rajput, A. R. (2023). *Sodha Chatur Sajaan*. Sindh Salamat Book House. Retrieved from https://books.sindhsalamat.com/book/896/read/47701
- Solanki, T. S. (1998). *Umarkot: Sindh Jo Itihaas*. Umarkot: Solanki Publications.

مخدوم بلاول: سندھ کی مزاحمتی روح کا علامتی شہید

تعارف

سندھ کی تاریخی فضا میں مخدوم بلاول ایک عظیم مزاحمتی، مذہبی اور قومی شعور کے حامل شخصیت کے طور پر ابھرتے ہیں۔ ان کی شہادت محض سیاسی تصادم کا نتیجہ نہیں بلکہ سندھ کے روحانی شعور اور غیر ملکی تسلط کے خلاف مزاحمت کی علامت ہے۔ یہ مضمون ان کی زندگی، فکر اور شہادت کے پس منظر کو علمی انداز میں پیش کرتا ہے۔

تاریخی پس منظر

مخدوم بلاول 16 جون 1451ء (856 ہجری) کو ضلع جامشورو کے گاؤں ٹلٹی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مخدوم حسن اور دادا مخدوم محمد ادریس سموں، لس بیلا کے حکمران تھے (لاکو، 1871)۔ بعض مؤرخین کے مطابق ان کا تعلق ٹھٹہ کے شاہی خاندان سے تھا، تاہم ڈاکٹر غلام محمد لاکو کے مطابق وہ لس بیلا کے جام خاندان سے وابستہ تھے۔

ارغونوں سے تصادم

جام فیروز کے دور میں جب شاہ بیگ ارغون سندھ پر حملہ آور ہوا اور باغبان کے قریب سے گزرا، تو مخدوم بلاول اور ان کے مریدوں نے مزاحمت کی۔ شاہ بیگ جان بچا کر ٹھٹہ پہنچا اور جام فیروز سے معاہدہ کر کے سیہون کا علاقہ حاصل کیا (معصومی، 1595)۔ اپنی حکمرانی کو مضبوط بنانے کے لیے شاہ بیگ نے مختلف راجاؤں سے حمایت حاصل کرنا شروع کی، جس پر مخدوم بلاول نے اس ناجائز قبضے کے خلاف عوامی مہم شروع کی۔

مذہبی الزامات اور شہادت

جب شاہ بیگ ارغون نے مخدوم بلاول کو خطرہ سمجھا تو ان کے خلاف سازش کی گئی۔ ایک موچی سے ایسی جوتی تیار کروائی گئی جس میں قرآن کے اوراق رکھے گئے، اور وہ جوتی مخدوم بلاول کو نذرانے کے طور پر دی گئی۔ اگرچہ انہوں نے وہ جوتی کبھی نہیں پہنی، مگر جھوٹے گواہ کھڑے کیے گئے اور ان پر توہینِ قرآن کا الزام لگایا گیا (وفائی، 1936)۔ مذہبی علما سے فتویٰ حاصل کر کے انہیں سزائے موت دی گئی۔

جب قاضی نے صفائی کا موقع دیا تو مخدوم بلاول نے کچھ کہنے سے انکار کیا۔ انہیں لوہے کی گہنی میں پاؤں سے لے کر جسم تک پیس کر شہید کیا گیا۔ انہوں نے آخری وقت میں کہا: "میرا سر

نہیں، پہلے پاؤں گہنی میں رکھو تاکہ میں آخری لمحے تک اپنے وطن کو دیکھتا رہوں۔" ان کے مریدوں نے ان کے جسم کے ٹکڑوں کو ایک ہی مٹی میں دفن کیا۔ یہ واقعہ یکم محرم 929 ہجری (1522ء) کو پیش آیا۔

فکری اور اخلاقی اصول

مخدوم بلاول کی تعلیمات درج ذیل اصولوں پر مبنی تھیں:

- مذہب اور سیاست کو جدا رکھنا
- مریدوں سے نذرانے نہ لینا
- سادہ زندگی، لباس اور خوراک
- غیر ملکی حکمرانی کی مخالفت (سید، 1984)

انہوں نے اپنے خلفاء کو بھی حکم دیا کہ وہ روزگار کے لیے کوئی پیشہ اختیار کریں، اور سادہ طرزِ زندگی اپنائیں۔ حتیٰ کہ وفات کے بعد بھی انہوں نے اپنی قبر پر کوئی عمارت بنانے سے منع کیا۔

ادبی اور عوامی ورثہ

سچل سرمست نے اپنی کافی میں ان کی شہادت کو یوں بیان کیا:

"گھاٽي ۾ بلاول پيڙائئي، عنايت ميدان مارائئي"

"گہنی میں بلاول پیسا، عنایت میدان مارا"

قاضی ہدایت اللہ مشتاق اور رکھیل شاہ صوفی نے بھی ان کی شہادت پر مرثیے اور اشعار لکھے، جن میں ان کی قربانی کو قومی فخر سے جوڑا گیا (مشتاق، 1940)۔

نتیجہ

مخدوم بلاول کی شہادت سندھ کی روحانی مزاحمت اور سیاسی بیداری کی ایک روشن علامت ہے۔ ان کی زندگی اور تعلیمات آج بھی انصاف، سادگی اور قومی وقار کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

References

- Lakho, G. M. (1871). *Ganjina-e-Jahan Nama* [The Treasure of the World]. (Unpublished Persian manuscript; Sindhi summary by Makhdoom Muhammad Shafi Abbasi).

- Masumi, M. M. (1595). *Tarikh-e-Masumi* [The History of Masumi].
- Wafai, D. M. (1936). *Historical Figures of Sindh*.
- Syed, G. M. (1984). *Heroes of Sindh*. Hyderabad: Mehran Publications.
- Ajnani, H. S. (1885). Personal account, Hala region.
- Sarmast, S. (n.d.). Kafi: *Bilawal was crushed in the oil press, yet triumphed in the battlefield*.
- Mushtaq, Q. H. (1940). *Elegy of Makhdoom Bilawal*.

سریمڻ خان چانڈیو: سمن سلطنت کے دور کا قبائلی سپہ سالار اور وطن دوست رہنما

تعارف

سمن سلطنت (1351–1521ء) سندھ کی تاریخ کا ایک اہم دور ہے، جو قبائلی اتحاد، ثقافتی ترقی، اور غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف مزاحمت سے عبارت ہے۔ اس دور میں کئی بہادر شخصیات نے سندھ کی خودمختاری کے تحفظ کے لیے نمایاں کردار ادا کیا، جن میں سریمٹ خان چانڈیو کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جام نندو کے دورِ حکومت میں ارغون حملوں کے خلاف ان کی عسکری خدمات اور بعد ازاں جاگیر و خطاب کے ذریعے ان کی سیاسی شناخت سندھ کی قبائلی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

تاریخی پس منظر: ارغون حملے اور سندھ کا دفاع

جام نندو (1461–1508ء) کے دور میں قندھار کے ارغون حکمران میر ذوالنون بیگ نے وسطی ایشیا کی سیاسی تبدیلیوں کے باعث سندھ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ 1485ء میں اس کے بیٹے سلطان محمد نے سُبی پر حملہ کیا، جہاں سندھ کے گورنر بہادر خان کو شکست ہوئی اور وہ پسپا ہو گیا (Chiefa Coins, n.d.)۔

اس حملے کے بعد سندھ کی عسکری قیادت نے دفاعی حکمتِ عملی کو ازسرِ نو ترتیب دیا۔ 1490ء میں دولہا دریاء خان نے ایک بڑی فوج کے ساتھ سُبی پر حملہ کیا، جس میں سلطان محمد ارغون مارا گیا اور سندھ نے دوبارہ اپنی حاکمیت

قائم کر لی (Wikipedia contributors, n.d.)۔ اس جنگ میں سریمٹ خان چانڈیو نے نہ صرف اپنے قبیلے بلکہ دیگر قبائل کو بھی متحد کر کے دریاء خان کی فوجی مدد کی (Ruk Sindhi, 2023)۔

جاگیر اور خطاب: سیاسی شناخت کی بنیاد

دریاء خان کی سفارش پر، جام نندو نے سریمٹ خان کو ان کی بہادری کے صلے میں ایک وسیع جاگیر عطا کی اور "غیبی خان" کا خطاب دیا (Baluch, n.d.)۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے مطابق، یہ جاگیر 1501ء (907ھ) میں دی گئی، جس میں باغبان پرگنہ، کِرتھر پہاڑی سلسلہ، گاج ندی، اور مخدوم بلاول کے شکارگاہ شامل تھے۔

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھ کے مطابق، یہ جاگیر لاڑکانہ کے علاقے میں واقع تھی، جسے بعد میں "چانڈکا پرگنہ" کہا جانے لگا۔ جاگیر کی اصل سند آج بھی چانڈیو نوابوں کے پاس محفوظ ہے، جس میں 14 پرگنوں کی تفصیل درج ہے، جن میں پنج پھیر، تشوخ بشام، کوہِ الار، مزارانی، بڈامانی، لیلان، چنیسر، اور بانبھیون شامل ہیں (Sindhi, 2012)۔

قبائلی ورثہ اور سیاسی تسلسل

سریمٹ خان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے وریل خان نے قبائلی قیادت سنبھالی۔ یہ سلسلہ نواب غیبی خان، نواب احمد سلطان، نواب شبیر احمد، اور موجودہ قبائلی سردار نواب احمد چانڈیو تک جاری رہا (Bhatti, 2021)۔ چانڈیو قبیلے کے اثر و رسوخ کی وجہ سے لاڑکانہ کے علاقے کو "چانڈکا" کہا جانے لگا، جو مغل دور میں بکر سرکار کے تحت تھا اور کلہوڑا دور میں لاڑکانہ شہر کے قیام کے بعد بھی اس نام کی اہمیت برقرار رہی۔

تجزیہ: قبائلی سیاست اور وطن دوستی کا امتزاج

سریمٹ خان چانڈیو کی شخصیت قبائلی قیادت، عسکری شجاعت، اور علاقائی حکمرانی کے امتزاج کی نمائندہ ہے۔ انہوں نے نہ صرف سندھ کی سرزمین کا دفاع کیا بلکہ قبائلی اتحاد، سیاسی استحکام، اور ثقافتی ورثہ کی تعمیر میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان کی جاگیر، خطاب، اور قبائلی اثر سندھ کے تاریخی شعور کا حصہ بن چکے ہیں، جنہیں علمی تحقیق اور عوامی شعور کے ذریعے محفوظ رکھنا وقت کی ضرورت ہے۔

References

- Baluch, N. B. (n.d.). *Rihan Heeren Khan* (Vol. 6). Sindhi Adabi Board.
- Sindhi, M. A. (2012). *Mehran Journal* (Vol. 4, p. 6). Sindhi Adabi Board.
- Chiefa Coins. (n.d.). *History of Sindh and the Arghun Invasion*. Retrieved from http://chiefacoins.com/Database/Countries/Sindh.htm
- Wikipedia contributors. (n.d.). *Battle of Jalwakhir*. Wikipedia. Retrieved from https://en.wikipedia.org/wiki/Battle_of_Jalwakhir
- Ruk Sindhi. (2023). *Who was Dollah Darya Khan?* [Video]. Dailymotion. Retrieved from https://www.dailymotion.com/video/x9983is
- Bhatti, S. (2021). *History of Chandio Tribe* [Video series]. YouTube. Retrieved from https://www.youtube.com/playlist?list=PLTJH_lEBVfjmyZsITSf-5j1bqnI0unG3T

ملک مائی چاگلی: اٹھارہویں صدی کی سندھی خاتون حکمران کا تاریخی جائزہ

خلاصہ

یہ مضمون لس بیلہ کی سندھی بولنے والی خاتون حکمران، ملک مائی چاگلی کی زندگی اور حکومت کا جائزہ لیتا ہے، جنہوں نے 1742ء میں اپنے شوہر ملک پہاڑ خان برفت کی وفات کے بعد

اقتدار سنبھالا۔ ان کی مختصر مگر مؤثر حکمرانی جنوبی ایشیا کے قبائلی اور جاگیردارانہ تناظر میں خواتین کی سیاسی قیادت کی ایک نادر مثال پیش کرتی ہے۔ یہ مطالعہ علاقائی روایات، قبائلی تاریخ اور علمی تبصروں کی روشنی میں خواتین کی حکمرانی کے امکانات اور چیلنجز کو اجاگر کرتا ہے۔

تاریخی پس منظر

لس بیلہ، جو آج بلوچستان کا حصہ ہے، تاریخی طور پر برفت قبیلے کے زیرِ حکومت رہا، جو سندھی بولنے والا قبیلہ ہے اور سندھ کی سمن سلطنت سے منسلک ہے (Burfat, n.d.)۔ برفتوں سے قبل لس بیلہ پر رنجھا جٹ جاموں کی حکومت تھی، جو بھی سندھی النسل تھے۔ ملک پہاڑ خان برفت کی وفات کے بعد ان کی بیوی مائی چاگلی اور کمسن بیٹا ملک عزت خان پیچھے رہ گئے۔ بیٹے کی کم عمری کے باعث مائی چاگلی نے ریاست کی باگ ڈور سنبھالی (Jat Chiefs, n.d.)۔

حکمرانی اور اصلاحات

مائی چاگلی کی حکومت دانشمندی، تدبر اور انتظامی صلاحیت سے بھرپور تھی۔ انہوں نے پورالی ندی کے پانی کا مؤثر انتظام کیا، جس سے

زراعت میں ترقی ہوئی، خوشحالی آئی اور خزانہ میں اضافہ ہوا۔ ان کی حکمرانی عوام میں مثالی بن گئی، اور ایک مقامی کہاوت مشہور ہوئی:

"پورالی اُتھس پار، تَد چاگلی تھی چاگ کرے" (Baluch, as cited in Burfat, n.d.).

ان کی حکومت رنجھوں کے ذریعے چلتی رہی، جو انتظامی معاونین تھے۔ تاہم، ان کی کامیابی کے باعث پڑوسی قبائلی سرداروں میں حسد پیدا ہوا، خاص طور پر کنراچ کے جام عالی، جو خاتون حکمرانی کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

سیاسی سازش اور اقتدار کا خاتمہ

جام عالی، جن کے بھائی جام ڈگار کو نانگ ڈیہ کے قریب نماز پڑھتے ہوئے شہید کر دیا گیا تھا، اس واقعے کو بنیاد بنا کر مائی چاگلی کی حکومت کے خلاف سازش کی۔ انہوں نے قلات کے میر محبت خان سے اتحاد کیا، جو بھی مائی چاگلی سے ناراض تھے۔ 1742ء (1155ھ) میں جام عالی اور آخوند محمد حیات نے بارن پہاڑ عبور کر کے اچانک حملہ کیا اور لس بیلہ پر قبضہ کر لیا۔ مائی چاگلی کو شہر سے بے دخل ہونا پڑا (Jat Chiefs, n.d.; Burfat, n.d.)۔

وراثت اور وفات

مائی چاگلی نے اپنے بیٹے عزت خان کے ساتھ کوٹری کے قریب اپنی آبائی جاگیر میں سکونت اختیار کی۔ 1794ء (1214ھ) میں ان کا انتقال ہوا، اور انہیں ملکن قبرستان میں دفن کیا گیا، جہاں ان کے بیٹے اور دیگر حکمران بھی مدفون ہیں (Allana, as cited in Burfat, n.d.)۔

تجزیہ

مائی چاگلی کی حکمرانی، اگرچہ مختصر تھی، مگر جنوبی ایشیا کے قبائلی معاشروں میں صرف مردانہ قیادت کے تصور کو چیلنج کرتی ہے۔ ان کی انتظامی کامیابی، عوامی حمایت اور سیاسی سازشیں صنف، طاقت اور قبائلی سیاست کے پیچیدہ تعلقات کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان کی کہانی یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ علاقائی تاریخ اور زبانی روایات کو قومی تاریخ نویسی میں شامل کرنا کس قدر اہم ہے۔

نتیجہ

ملک مائی چاگلی سندھ کی سیاسی تاریخ میں ایک نادر مگر بااثر شخصیت ہیں۔ ان کی حکمرانی، جو سندھی ثقافتی اقدار اور عملی حکمت پر مبنی تھی، خواتین کی قیادت کے بارے

میں نئی سوچ کو جنم دیتی ہے۔ ان کا ورثہ ان محققین اور ثقافتی علمبرداروں کے لیے مشعلِ راہ ہے جو سندھ کی تہذیبی عظمت کو دوبارہ اجاگر کرنا چاہتے ہیں۔

References

- Burfat. (n.d.). *برفت قبیلہ اور لس بیلہ کے تاریخی حکمران*. حاصل شدہ: [Wikipedia article on Burfat]
- Jat Chiefs. (n.d.). *لس بیلہ – سمن سلطنت کی ریاستیں*. حاصل شدہ: [Jat Chiefs historical archive]
- Las Bela (princely state). (n.d.). *لس بیلہ کے حکمرانوں کا تاریخی جائزہ*. حاصل شدہ: [Wikipedia article on Las Bela]

جام نظام الدین سمو (جام نندو): سندھ کی سما سلطنت کا آخری حکمران

یہ مقالہ جام نظام الدین سمو، جو عوامی طور پر *جام نندو* کے نام سے مشہور ہیں، کی زندگی، حکمرانی اور سندھ پر اُن کے سیاسی، سماجی اور علمی اثرات کا مطالعہ پیش کرتا ہے۔ ان کی حکومت (866ھ/1461ء – 914ھ/1508ء) نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط رہی جس میں سندھ سیاسی استحکام، سماجی امن اور علمی و روحانی ترقی کا مرکز بن گیا۔ اُن کے دور میں مذہبی رواداری، رعایا نوازی اور دانشوروں کی سرپرستی نمایاں رہی۔ یہ تحقیق اس بات پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ کس طرح جام نندو نے اپنی مردم شناسی اور انصاف پر مبنی پالیسیوں کے ذریعہ سندھ کو ایک مثالی معاشرہ بنا دیا۔

تعارف

جام نظام الدین سمو، المعروف *جام نندو*، سندھ کی سما سلطنت کے آخری عظیم حکمران تھے۔ اُن کی حکمرانی صرف سیاسی غلبے پر مبنی نہ تھی بلکہ تقویٰ، عدل اور رعایا کی خدمت پر بھی قائم تھی (Maqbul, 2005)۔ مؤرخین اُن کے عہد کو سندھ کی تاریخ کا سنہری دور قرار دیتے ہیں، جس میں خوشحالی، امن اور علم و ادب کی غیر معمولی ترقی دیکھنے میں آئی۔

شخصیت اور حکمرانی

جام نندو کو نیک، متقی اور منتظم حکمران کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ اُن کے دور میں عدل، امن اور خوشحالی غالب رہی (Shaikh, 2010)۔
مآثر رحیمی کے مصنف کے مطابق:
”درمیان سلاطین سنده چه که درمیان سلاطین هندوستان بفضیلت و حالت او نبوده“ (Qureshi, 1999, p. 112)۔
یہ بیان جام نندو کی غیر معمولی حیثیت کا بڑا اعتراف ہے۔

علمی و ادبی سرپرستی

جام نندو کے زمانے میں ٹھٹھہ علمی اور روحانی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ ایران، خراسان اور ماوراء النہر سے متعدد علما، شعرا اور صوفی سندھ آ کر آباد ہوئے۔ علامہ جلال الدین دوانی کے

شاگرد میر شمس اور میر معین نے یہاں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا (Memon, 2002)۔ *تحفۃ الکرام* اور *مکلی نامہ* جیسے مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے دینی و دنیاوی علوم میں نئی جہتوں کا آغاز ہوا (Burton, 1877)۔

مذہبی رواداری اور رعایا نوازی

جام نندو نے صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ہندو برادری کے لیے بھی عدل و امن کے دروازے کھول دیے۔ کئی ہندو امراء اور وزراء کو ریاست میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا (Lakho, 1982)۔ عام ہندو رعایا بھی مسلمانوں کی طرح امن و خوشحالی میں زندگی بسر کرتی تھی۔ اُن کے دور میں فرقہ وارانہ جھگڑوں کا وجود نہ تھا۔

مردم شناسی اور ادارہ جاتی اصلاحات

جام نندو کی مردم شناسی اُن کی سب سے نمایاں خصوصیت تھی۔ انہوں نے دولہہ دریا خان کو معمولی حیثیت سے اٹھا کر وزیر اعظم اور سپہ سالار کے منصب تک پہنچایا (Ansari, 1975)۔ اسی طرح وزیر دلشاد خان نے بکھر میں انتظامی اصلاحات نافذ کر کے شہرت پائی۔ اس طرح جام نندو نے ادارہ جاتی ڈھانچے کو مضبوط کیا۔

علاقائی اور بین الاقوامی تعلقات

جام نندو کا دور دیگر طاقتور حکمرانوں کے ساتھ ہم عصر تھا، جیسے بہلول لودھی دہلی میں، سلطان محمود بیگڑا گجرات میں اور شاہ حسین بایقرا خراسان میں (Maqbul, 2005)۔ ان تعلقات نے سندھ کو وسیع تر ثقافتی اور سیاسی دنیا سے جوڑ دیا۔

وفات اور ورثہ

جام نظام الدین سمو 1508ء میں وفات پا گئے۔ اُن کی وفات کے بعد اولاد میں اقتدار کی کشمکش نے سما سلطنت کو کمزور کر دیا اور آخرکار 1520ء میں ارغونوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا (Shaikh, 2010)۔ اُن کا مقبرہ مکلی میں تعمیراتی فن کا عظیم شاہکار ہے جس کی تعریف *مکلی نامہ* میں بھی کی گئی ہے (Burton, 1877)۔

نتیجہ

جام نظام الدین سمو (جام نندو) سندھ کی تاریخ کے ایسے حکمران تھے جنہوں نے اپنی حکمرانی کو رعایا کی بھلائی، علمی سرپرستی اور مذہبی رواداری کا ذریعہ بنایا۔ اُن کا دور سندھ کی تاریخ

میں ایک درخشاں باب کی حیثیت رکھتا □□، جو آج بھی عدل و انصاف پر مبنی حکمرانی کی روشن مثال □□□

References

- Ansari, M. (1975). *History of Sindh under Samma Dynasty*. Karachi: Sindh University Press.
- Burton, R. (1877). *History of Sindh*. London: Oxford University Press.
- Lakho, G. M. (1982). *Samon ji Saltanat*. Hyderabad: Sindhica Academy.
- Maqbul, H. (2005). *Sindh ji Tareekh*. Karachi: Mehran Publishers.
- Memon, A. (2002). *Scholarly Traditions in Sindh*. Hyderabad: Sindh University.
- Qureshi, I. H. (1999). *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent*. Lahore: People’s Publishing House.
- Shaikh, A. (2010). *Sindh: Society, Culture and Politics*. Jamshoro: Institute of Sindhology.

جام کارایرو: سندھ اور کَچھ کا سماجی باغی

خلاصہ

یہ مقالہ جام کارایرو (جام کارایل ولد جام پنگھر سمو) کی زندگی، شخصیت اور تاریخی کردار کا جائزہ لیتا ہے۔ جام کارایرو کا تعلق کَچھ کے ابڑو سمو قبیلے سے تھا۔ وہ کم عمری سے ہی حساس اور غریبوں کے ہمدرد کے طور پر جانے جاتے تھے۔ اپنے وقت کے امراء اور راجاؤں کے ظلم و استحصال کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے وہ ان کے خزانے لوٹ کر غرباء میں تقسیم کرتے تھے۔ انہی وجوہات کی بنا پر انہیں "سرہو چور" یعنی "نیک چور" کہا جاتا تھا۔ ان کی زندگی شجاعت، سخاوت اور عوام دوستی کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ بالآخر ایک سازش کے تحت انہیں شہید کیا گیا۔ ان کی قربانی اور کردار سندھ کے سماج میں انصاف، مزاحمت اور مساوات کی علامت کے طور پر زندہ ہیں (Soomro, 2009)۔

تمہید

سندھ اور کَچھ کی تاریخ ایسے انقلابی کرداروں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے غریب عوام کے حقوق کے لیے امراء اور راجاؤں کے ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی۔ جام کارایرو ان نمایاں شخصیات میں سے ایک ہیں جنہوں نے ظلم کے بجائے انصاف اور عوامی خدمت کو اپنی پہچان بنایا۔ ان کا ذکر نہ صرف تاریخی کتب میں ملتا ہے بلکہ لوک ادب میں بھی محفوظ ہے (Lakho, 1999)۔

جام کارایرو کا پس منظر

جام کارایرو کا اصل نامِ جام کارایل ولد جام پنگھر سمو تھا۔ ان کا تعلق کَچھ کے ابڑو سمو قبیلے سے تھا اور ان کے والد قبیلے کے سردار تھے۔ بچپن ہی سے ان میں غریبوں کے لیے ہمدردی اور حساس طبیعت موجود تھی۔ انہوں نے اپنے دور کے امراء اور راجاؤں کے استحصالی رویوں کے خلاف عملی جدوجہد کا آغاز کیا (Khoso, 1984)۔

سماجی بغاوت اور عوام دوستی

جام کارایرو امراء اور سرداروں کا مال چھین کر غریبوں میں تقسیم کرتے تھے۔ عام ڈاکوؤں کے برعکس وہ پہلے سے اطلاع دیتے کہ کس دن اور کس وقت حملہ کریں گے۔ سخت پہرے کے باوجود وہ کامیابی سے دولت حاصل کرتے۔ ان کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ گھروں کی عورتوں کو اپنی لائی ہوئی اوڑھنیاں (پوتیاں) پیش کرتے، اور کبھی زیورات یا جہیز کا سامان نہیں چھینتے۔ یہی اوصاف انہیں عوام میں "سرہو چور" کے لقب سے مشہور کرتے تھے (Soomro, 2009)۔

شادی اور سندھ کی طرف ہجرت

سندھ کے ایک مالدار شخص، سارو سنگھار، سے ان کی ملاقات ہوئی، جس نے اپنی بیٹی کَپوری کی شادی جام کارایرو سے کر دی۔ اس کے بعد کارایرو اپنے سسر کے ہمراہ سندھ کے ضلع عمرکوٹ کے علاقے نارا میں منتقل ہوگئے۔ تاہم کَچھ کے راجاؤں اور امراء نے پروپیگنڈا پھیلایا کہ کارایرو بزدلی کی وجہ سے وطن چھوڑ گئے ہیں (Lakho, 1999)۔

غداری اور شہادت

اپنی عزت اور غیرت کے تحفظ کے لیے کارایرو واپس کَچھ آئے اور راجہ کو اطلاع دی کہ وہ ایک مخصوص رات کو اس کے محل پر چھاپہ ماریں گے۔ راجہ نے خندقیں کھدوا کر اور خشک گھاس جلا کر ایک سازش تیار کی۔ کارایرو دھوئیں اور آگ کی لپیٹ میں آ کر خندق میں گر گئے اور سپاہیوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ ان کا سر کاٹ کر سسر کے پاس بھیجا گیا جبکہ جسم کو وہیں دفنایا گیا (Khoso, 1984)۔

ان کی بیوی کَپوری کے نوحے اور رونے کی داستان سندھ کے لوک ادب میں زندہ ہیں۔ عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی نے بھی ان کے کردار کو اپنے کلام میں امر کیا:

"کارایل کے قدموں کے نشانات میں نے کنجھر جھیل پر ڈھونڈے۔

"مگر وہ بہادر مرد اب لوٹ کر نہ آئے۔"
(Soomro, 2009, p. 472)

نتیجہ

جام کارایرو سندھ کے عوامی شعور اور سماجی انصاف کی ایک لازوال علامت ہیں۔ ان کی زندگی میں بغاوت، سخاوت اور عوام دوستی جھلکتی ہے۔ وہ محض "چور" نہیں بلکہ "نیک چور" تھے جنہوں نے امراء کے ظلم کے خلاف آواز بلند کر کے غریبوں کا سہارا بنے۔ ان کی قربانی سندھ کے ادب، تاریخ اور اجتماعی یادداشت میں آج بھی زندہ ہے۔

References

- Khoso, A. A. (1984). *Sindh ji Tareekhi Shakhsiyatoon* [Historical Personalities of Sindh]. Karachi: Roshni Publications.
- Lakho, G. M. (1999). *Samma ji Saltanat* [The Samma Dynasty]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Soomro, M. A. (Ed.). (2009). *Shah jo Risalo: Sur Karayal (Alif-Bay*

War). Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

جام اوڈر سمو: سندھ کا وفادار ساتھی

خلاصہ

جام اوڈر سمو سندھ کے ایک بہادر اور مہمان نواز سردار تھے جنہوں نے علاؤالدین کی فوج کے خلاف سومرن کا ساتھ دے کر وفاداری کی ایک لازوال مثال قائم کی۔ دودو سومرو کی شہادت کے بعد جب سومر کَچھ کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے تو جام اوڈر نے اپنی والدہ کی مخالفت کے باوجود ان کی میزبانی کی اور ان کی

مدد کا وعدہ کیا۔ اپنے نام کے معنی—"اوڈر" یعنی دوسروں کے دکھ اور بوجھ کو اپنے اوپر لینا—کے مطابق انہوں نے سومرن کا ساتھ دیا۔ قدیم روایات کے مطابق اوڈر نے علاؤالدین کی فوج سے دس دن تک مقابلہ کیا اور گیارہویں دن جام شہادت نوش کیا۔ یہ مقالہ جام اوڈر کی شخصیت، ان کی وفاداری، مہمان نوازی اور جنگی بہادری کا تجزیہ کرتا ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ بہادروں اور وفادار سرداروں کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان میں جام اوڈر سمو ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے سومرن کے ساتھ مشکل وقت میں کھڑے ہو کر بے مثال وفاداری کا ثبوت دیا۔ ان کا کردار سندھ کی قدیم روایات میں ایک روشن مثال کے طور پر زندہ ہے (Mirza, n.d.)۔

پس منظر

دودو سومرو کی شہادت کے بعد سومر قبیلہ کَچھ کی جانب روانہ ہوا۔ اس دوران وہ جام اوڈر سمو کے علاقے میں پہنچے۔ اس وقت کئی سردار سومرن کی مدد سے گریزاں تھے، لیکن اوڈر نے ان کی عزت افزائی کی اور مدد کا وعدہ کیا۔ ان کی والدہ نے انہیں روکا کہ کہیں وہ علاؤالدین کے

قہر کا شکار نہ ہو جائیں، لیکن اوڍر نے اپنے نام کی معنویت بیان کرتے ہوئے کہا کہ "اوڍر وہی ہے جو دوسروں کا بوجھ اپنے اوپر لے۔" (Sindhi Adabi Board, 2002)

وفاداری اور مہمان نوازی

جام اوڍر اپنی سخاوت اور مہمان نوازی کے باعث مشہور تھے۔ ان کی اس صفت کو بعد میں شاعری کی صورت میں محفوظ کیا گیا:

"اوڍر سب کا بوجھ اپنے اوپر لیتا ہے،
لیکن اوڍر کا بوجھ کوئی نہیں اٹھاتا۔
اگر مجھے دوسرا نام دینا تھا،
تو اے ماں، کوئی اور رکھ لیتی!"

یہ اشعار اوڍر کی عزم و وفاداری کو ظاہر کرتے ہیں (Bhutto, 1985)۔

علاؤالدین کی فوج سے جنگ

قدیم روایات کے مطابق، اوڍر سومرن کے ساتھ کھڑے ہو کر علاؤالدین خلجی کی فوج کے ساتھ دس دن تک لڑتے رہے۔ گیارہویں دن وہ جنگ کے میدان میں شہید ہو گئے۔ یہ قربانی سندھ کی تاریخ میں وفاداری اور ایثار کی اعلیٰ مثال کے طور پر یاد کی جاتی ہے (Sindhi Adabi Board, 2002)۔

جام اوڈر شاہ لطیف کی شاعری میں

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے جام اوڈر کا ذکر اپنی شاعری میں بہادر، سخی اور مہمان نواز شخصیت کے طور پر کیا ہے:

"تو ہے اوڈر، اصل اوڈر،
پناہ دینے والا، ہمت کی آگ،
یہاں تیرا ڈیرہ ہے،
مہمانوں کا ٹھکانہ بھی تیرا ہے،
جو ابڑے کے پاس آتے ہیں،
ان کے دکھ ہمیشہ مٹ جاتے ہیں۔"

(Mirza, n.d., p. 472)

یہ کلام اوڈر کی سخاوت اور مہمان نوازی کو ہمیشہ کے لیے امر کرتا ہے۔

نتیجہ

جام اوڈر سمو سندھ کی تاریخ کا ایک ایسا سردار تھے جنہوں نے مشکل وقت میں سومرن کا ساتھ دیا اور علاؤالدین کی فوج کے سامنے بہادری سے لڑ کر اپنی جان قربان کی۔ ان کی شخصیت سندھ کی ثقافتی روایت میں وفاداری، مہمان نوازی اور شجاعت کی روشن مثال کے طور پر زندہ ہے۔

References

- Bhutto, G. N. (1985). *Sindh ji Tareekhi Shakhsiyatun* [Historical personalities of Sindh]. Karachi: Mehran Academy.
- Mirza, M. (n.d.). *Shah jo Ganj* (Modern script). Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Sindhi Adabi Board. (2002). *Soomra ain Samma Dor* [The Soomra and Samma periods]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

جام بجار خان جوکیو: کلہوڑا دور کا بہادر سپاہی

خلاصہ

جام بجار خان جوکیو کلہوڑا دور کی ایک نمایاں اور بہادر شخصیت تھے۔ اپنی شجاعت، وفاداری اور حکمتِ عملی کے ذریعے انہوں نے کلہوڑا حکمرانوں کی سلطنت کو مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ رانا ارجن رائے کے خلاف ان کی کامیاب مہم نے نہ صرف سلطنت کی حدود میں اضافہ کیا بلکہ انہیں "جام" کا لقب بھی عطا ہوا۔ یہ مقالہ جام بجار خان کی شخصیت، فوجی خدمات، سیاسی کردار اور تاریخی ورثہ کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ میں کلہوڑا دور سیاسی، سماجی اور فوجی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ اس دور میں کئی سورما اور وفادار سپاہی سامنے آئے جنہوں نے کلہوڑا سلطنت کو مضبوط کیا۔ ان میں جام بجار خان جوکیو کی شخصیت نمایاں ہے، جنہوں

نے اپنی وفاداری اور شجاعت سے کلہوڑا حکمرانوں کا اعتماد حاصل کیا (Bhutto, 1985)۔

جام بجار خان کا پس منظر

جام بجار خان کا تعلق جوکیو قبیلے سے تھا جو کلہوڑا حکمرانوں کے وفادار قبائل میں شمار ہوتا ہے۔ جوکیو قبیلے نے کلہوڑا فوجی مہمات میں اہم کردار ادا کیا۔ بجار خان اپنی بہادری کی بنا پر اپنے قبیلے میں قائدانہ حیثیت رکھتے تھے اور کلہوڑا حکمرانوں کے قابلِ اعتماد ساتھی تھے (Sindhi Adabi Board, 2002)۔

فوجی خدمات اور شجاعت

جب دھریجا اور سوری بندی پر رانا ارجن رائے حکمران تھا تو میاں غلام شاہ کلہوڑا نے اس علاقے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مہم کی قیادت جام بجار خان کو سونپی گئی۔ انہوں نے اپنے قبیلے کے بیس بہادر جوان منتخب کیے اور رات کے اندھیرے میں رانا ارجن رائے کے قلعے پر اچانک حملہ کیا۔ اس حملے میں رانا ارجن رائے اور اس کے ساتھی مارے گئے اور یہ علاقہ کلہوڑا سلطنت کے قبضے میں آگیا (Lakho, 1996)۔

سیاسی کردار اور انعامات

اس شاندار فتح کے بعد کلہوڑا حکمرانوں نے بجار خان کو "جام" کا لقب عطا کیا۔ مزید برآں، انہیں حب ندی سے گھارو تک کا علاقہ انتظام کے لیے دیا گیا۔ ساتھ ہی کراچی اور ٹھٹھہ کے درمیان آنے والے تجارتی سامان پر محصول وصول کرنے کا اختیار بھی دیا گیا، جو ان کی سیاسی اور معاشی حیثیت کی مضبوطی کی علامت تھا (Bhutto, 1985)۔

ورثہ اور وفات

جام بجار خان جوکیو سنہ 1211ھ/1796ع کے قریب وفات پا گئے۔ ان کی نسل آج بھی جوکیو قبیلے کی سرداری پر فائز ہے، جو ان کے سیاسی اور سماجی ورثے کے تسلسل کی علامت ہے۔ ان کی بہادری اور وفاداری سندھ کی تاریخ میں آج بھی ایک روشن مثال کے طور پر یاد کی جاتی ہے (Sindhi Adabi Board, 2002)۔

نتیجہ

جام بجار خان جوکیو کلہوڑا دور کے ایک ایسے سپاہی اور مدبر قائد تھے جنہوں نے نہ صرف فوجی فتوحات حاصل کیں بلکہ اپنی وفاداری اور شجاعت سے سیاسی و معاشی طور پر بھی اہم

مقام پایا۔ ان کی شخصیت سندھ کی تاریخ میں
بہادری اور وفاداری کی ایک شاندار علامت ہے۔

References

- Bhutto, G. N. (1985). *Sindh ji Tareekhi Shakhsiyatun* [Historical personalities of Sindh]. Karachi: Mehran Academy.
- Lakho, G. M. (1996). *Samma ji Saltanat* [The Samma Dynasty]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Sindhi Adabi Board. (2002). *Kalhoran jo Dor ja Soorma* [Heroes of the Kalhora period]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

دولہ دریاء خان: سندھ کا بے مثال سپہ سالار

خلاصہ

یہ مقالہ سندھ کی سمن سلطنت کے عظیم سپہ سالار اور وزیرِاعظم، **دولہ دریاء خان** کے شاندار کردار پر روشنی ڈالتا ہے، جو پندرویں اور سولہویں صدی عیسوی کے آخر میں جام نظام الدین کے عہد میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اصل نام ’’قبولیو‘‘ رکھنے والا یہ غلام، اپنی ذہانت، وفاداری اور عسکری مہارت کے باعث عروج پر پہنچا۔ اس نے سندھ کو خصوصاً ارغون حملے

آوروں کے خلاف کامیابی سے دفاع فراہم کیا اور ساتھ ہی آبپاشی اور تعمیرات میں بھی نمایاں کارنامے سرانجام دیے۔ اس کی زندگی وفاداری، شجاعت اور حکمت عملی کی علامت ہے، جو سندھ کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تحقیق ان کے ابتدائی حالات، سیاسی و فوجی خدمات، سماجی و معاشی کردار اور 1520ء میں خانواہ کی جنگ میں شہادت کا تجزیہ تاریخی ماخذات کی روشنی میں کرتی ہے (Lakho, 2004; Rashdi, 1956; Masumi, 1600; Tahiri, 1940)۔

تعارف

سمن سلطنت (1351–1524ع) کا زمانہ سندھ کی تاریخ میں استقامت اور جرات مندانہ قیادت کا دور تھا۔ اس عہد کا سب سے نمایاں کردار **دولہ دریاء خان** ہے، جو ایک سپہ سالار، وزیرِاعظم اور محب وطن کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا (Lakho, 2004)۔ ان کی شخصیت وفاداری، حکمرانی اور عسکری مزاحمت کے امتزاج کی عکاسی کرتی ہے۔

ابتدائی زندگی اور عروج

دریاء خان کا اصل نام **قبولیو** تھا، جو دیوان لکھدیر کے گھرانے میں غلامی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جام نظام الدین شکار کے دوران پیاسا ہوا، تو قبولیو نے پانی میں تنکے ڈال کر پیش کیا تاکہ وہ یک دم نہ پی لے اور تکلیف سے محفوظ رہے۔ جام، اس کی فراست سے بہت متاثر ہوا اور اسے خرید کر "دریا خان" کا نام دیا۔ اسے اعلیٰ تعلیم و تربیت دی گئی اور بعد ازاں **وزیراعظم اور سپہ سالار** کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ مزید برآں، اسے ’’مبارک خان‘‘ کا خطاب بھی ملا (Rashdi, 1956)۔

سیاسی و فوجی کردار

سپہ سالار کی حیثیت سے دریاء خان نے سندھ کو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھا۔ 1486ع میں شاہ بیگ ارغون نے سبی کا قلعہ پر قبضہ کیا، مگر دریاء خان نے اس کے بھائی سلطان محمد ارغون کو قتل کر کے سندھ کے دفاع کو یقینی بنایا (Lakho, 2004)۔ 1508ع میں جام نظام الدین کے انتقال کے بعد، کم عمر جام فیروز کے دورِ حکومت میں ریاستی امور زیادہ تر دریاء خان کے سپرد رہے (Masumi, 1600)۔

آبپاشی اور تعمیرات میں خدمات

دریا خان نے **آبپاشی کے نظام** کو فروغ دیا، بالخصوص *خانواہ نہر* کی تعمیر کروائی جس سے ساکرو اور اطراف کی زمینیں سرسبز و شاداب ہوئیں (Lakho, 2004)۔ اس کے علاوہ، جام نظام الدین کے مقبرے کی تعمیر بھی اس کی سرپرستی میں ہوئی۔ اگرچہ بظاہر یہ تعمیر جام فیروز کے نام سے منسوب ہے، لیکن ماہرین جیسے پیر حسام الدین راشدی (1956) کا ماننا ہے کہ یہ منصوبہ دریا خان کی نگرانی میں مکمل ہوا۔

جام فیروز سے اختلافات اور سیاسی بحران

جام فیروز کی عیاشی اور درباری سازشوں نے دریا خان کو دل برداشتہ کر دیا اور وہ اپنی جاگیر ’’گاہا‘‘ چلا گیا۔ اس دوران شہزادہ جام صلاح الدین نے گجرات کے سلطان مظفر شاہ ثانی (1512–1526ع) کی مدد سے سندھ پر حملہ کیا۔ بعد ازاں، جام فیروز اور اس کی والدہ نے درياء خان کو واپس بلایا۔ درياء خان نے حکمتِ عملی سے صلاح الدین کو پسپا کیا اور دوبارہ فیروز کو حکومت دلائی (Tahiri, 1940)۔

آخری جنگ اور شہادت

دریا خان کے اثر و رسوخ سے حسد کرنے والے درباریوں نے جام فیروز کی والدہ کو شاہ بیگ ارغون کو بلانے پر آمادہ کیا۔ 1520ع میں خانواہ پر فیصلہ کن جنگ ہوئی، جو خود دریا خان کی کھدوائی ہوئی نہر کے قریب لڑی گئی۔ جام فیروز اس موقع پر غیر حاضر رہا، مگر دریاء خان نے تنہا سپاہ کی قیادت کی۔ 22 دسمبر 1520ع (11 محرم 927ھ) کو گلے میں تیر لگنے سے وہ شہید ہو گیا (Masumi, 1600)۔ اس کا مقبرہ مکلی ٹیکری، ٹھٹہ میں واقع ہے، جو آج بھی سندھ کی قربانی اور مزاحمت کی علامت ہے۔

نتیجہ

دولہ دریاء خان کی زندگی ذہانت، وفاداری، شجاعت اور وطن دوستی کی عظیم مثال ہے۔ ایک غلام سے لے کر وزیرِاعظم اور سپہ سالار تک کا سفر اس کی صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ اس کی خدمات محض عسکری میدان تک محدود نہیں رہیں بلکہ سماجی اور زرعی ترقی تک پھیلیں۔ خانواہ کی جنگ میں اس کی شہادت سندھ کی تاریخ کا ایک فیصلہ کن لمحہ ہے، جو آج بھی مزاحمت اور قربانی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

References

- Lakho, G. M. (2004). *Saman ji Saltanat* [The Samma Dynasty]. Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Masumi, M. S. (1600). *Tareekh-i-Masumi* [History of Masumi]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Rashdi, P. H. (1956). *Sindh ja Soorma* [Heroes of Sindh]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Tahiri, M. (1940). *Tareekh-i-Tahiri* [History of Tahiri]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

میرو فقیر نظامانی: حر تحریک کا جری کردار

خلاصہ

یہ مضمون حر تحریک کے ایک جری کردار، شہید میرو فقیر نظامانی، کی زندگی، جدوجہد اور قربانیوں کا تحقیقی جائزہ پیش کرتا ہے۔ حر تحریک کے تیسرے مرحلے (1942ء–1952ء) کے دوران، میرو فقیر ایک نمایاں گوریلا رہنما کے طور پر سامنے آئے۔ ان کی شجاعت اور جنگی حکمتِ عملی نے برطانوی سامراج اور اس کے مقامی حامیوں کو شدید خوف میں مبتلا کردیا۔ جنگی معرکوں کے باوجود، انہوں نے انسانی اور اخلاقی اصولوں کو ہمیشہ مقدم رکھا، جس کے باعث انہیں عوام میں عزت و حمایت حاصل رہی۔ یہ مطالعہ ان کے نمایاں معرکوں، اخلاقی ضوابط اور شہادت کو تاریخی تناظر میں اجاگر کرنے کی کوشش ہے۔

تعارف

برصغیر میں برطانوی سامراج کے خلاف چلنے والی مختلف بغاوتوں اور تحریکی جدوجہد میں سندھ کی حر تحریک ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے (Khan, 2001)۔ پیر پاگارو کی قیادت میں چلنے والی اس تحریک کا بنیادی مقصد برطانوی راج کو ختم کرنا اور آزادی حاصل کرنا تھا۔ اس جدوجہد میں کئی بہادر مجاہدین نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ انہی میں شہید میرو فقیر نظامانی بھی شامل تھے، جن کی جرات و بہادری کو دشمن نے بھی تسلیم کیا۔

زندگی اور پس منظر

میرو فقیر نظامانی 1917ء میں ایک خوشحال کاشتکار احمد خان فقیر کے گھر پیدا ہوئے۔ وہ جوانی میں حر تحریک میں شامل ہوئے، جب سورہیہ بادشاہ پیر صبغت اللہ شاہ دوم انگریزوں کے خلاف جنگجو بھرتی کر رہے تھے (Shaikh, 2010)۔ اپنی نشانے کی درستگی اور اصول پسندی کی وجہ سے وہ جلد ہی حر مجاہدین میں نمایاں ہوگئے۔ برطانوی افسر ایچ ٹی لیمبرک (1943) کے مطابق: "میرو کی گولی کبھی خطا نہیں کرتی تھی" (ص. 112)۔

گوریلا جنگ اور بہادری

میرو فقیر نے کئی معرکوں میں حصہ لیا، جن سے ان کی شجاعت کے ساتھ ساتھ اخلاقی اصول بھی نمایاں ہوتے ہیں:

- **شادی کا واقعہ:** انہوں نے ایک شخص کو قتل کرنے کے بجائے اس کی جرات کی تعریف کی (Abbasi, 2015)۔
- **بچی کا واقعہ:** ایک بچی نے یقین دلایا کہ گھر میں کوئی دشمن نہیں ہے تو انہوں نے فوراً اپنی جماعت کو وہاں سے واپس بلایا (Shaikh, 2010)۔
- **ٹرین گرانے کا منصوبہ (1942ء):** جب انہیں علم ہوا کہ ٹرین فوجیوں کی بجائے عام مسافروں سے بھری ہوئی ہے تو انہوں نے فائرنگ روک دی اور ہتھیار بھی واپس لے لیے تاکہ کوئی بے گناہ نقصان نہ اٹھائے۔

یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی گوریلا حکمت عملی انسانیت اور اخلاقیات پر مبنی تھی۔

اہم معرکے

میرو فقیر کے گوریلا گروہ نے کئی بڑے مقابلے کیے:

1. **باندھی کے قریب:** ایک جھڑپ جس میں کئی سرکاری سپاہی مارے گئے۔
2. **سانگھڑ کے قریب محمد صالح دہراج کے ساتھ:** جس میں سرکاری عملدار شدید زخمی ہوا۔

3. **ٹنڈو غلام علی کے قریب:** حر مجاہدین نے انگریزی فوج کا گھیر توڑ کر ہتھیار حاصل کیے (Brohi, 1944)۔
4. **ماتلی کے قریب:** ایک خونریز مقابلہ جس میں حاجی گڈو شہید ہوئے لیکن میرو فقیر نے دشمن سے اسٹین گن اور رائفلیں حاصل کیں۔

یہ معرکے میرو فقیر کی عسکری صلاحیت اور برطانوی فوج کو پہنچنے والے نقصان کو ظاہر کرتے ہیں۔

آخری جدوجہد اور شہادت

پاکستان بننے کے بعد جب پیر پاگارو کی گدی بحال ہوئی تو روپوش حر مجاہدین کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا گیا (Abbasi, 2015)۔ میرو فقیر بھی اپنی گھریلو زندگی کی طرف لوٹ آئے، لیکن 1949ء میں پولیس نے ٹنڈو آدم کے قریب ان کے گاؤں کا محاصرہ کیا۔ اس وقت وہ اکیلے تھے اور ہزاروں پولیس و فوجی اہلکار ان کے مقابلے میں موجود تھے۔ دیہاتیوں کے بقول، انہوں نے گھیر توڑنے کے بعد واپس آکر کہا: "اگر میں نکل جاؤں گا تو تم سب مارے جاؤ گے، میں واپس جاکر مقابلہ کرتا ہوں۔" انہوں نے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ حتیٰ کہ شہادت کے بعد بھی پولیس ان کے جسد خاکی کے قریب جانے سے خوفزدہ رہی (Shaikh, 2010)۔

نتیجہ

شہید میرو فقیر نظامانی حر تحریک کے عظیم ہیرو ہیں، جنہوں نے برطانوی سامراج کو نہ صرف گوریلا حکمت عملی بلکہ اصول پسندی اور بہادری سے للکارا۔ وہ سندھ کی آزادی کی جدوجہد میں ایک لازوال کردار کے طور پر ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے اور آنے والی نسلوں کے لیے تحریک کا ذریعہ رہیں گے۔

References

- Abbasi, G. H. (2015). *Hur Tehreek jo Tareekhi Jaizo* [A historical review of the Hur Movement]. Hyderabad: Sindh Adabi Board.
- Brohi, R. B. (1944). *Eyewitness Accounts of Hur Resistance*. Karachi: National Archives.
- Khan, A. (2001). *Freedom Struggles in Sindh: A Historical Study*. Lahore: Oxford University Press.
- Limbark, H. T. (1943). *British Administrative Reports on Sindh*. London: Colonial Office Records.

- Shaikh, A. (2010). *Sindh ain Hur Tahreek* [Sindh and the Hur Movement]. Jamshoro: University of Sindh Press.

روپلو کولہی؛ وطن کے لیے جان قربان کرنے والا ایک جری سپہ سالار

خلاصہ

یہ مضمون سندھ کے عظیم مزاحمتی رہنما روپلو کولہی (1818–1859) کی زندگی، جدوجہد اور شہادت پر تفصیلی روشنی ڈالتا ہے۔ روپلو کولہی تھر کے علاقے سے تعلق رکھنے والا ایک جری سپہ سالار تھا جس نے انگریزی سامراج کے خلاف اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ مضمون میں اس کی ابتدائی زندگی، برادری میں قیادت، انگریزوں کے خلاف مزاحمت، گرفتاری، بدترین تشدد اور شہادت کے پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ مزید برآں، 19ویں صدی کے سندھ کی سیاسی و سماجی صورتحال کا تجزیہ کیا گیا ہے تاکہ روپلو کولہی کی تاریخی حیثیت کو سمجھا جا سکے۔ آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ روپلو کولہی آج بھی سندھ کی آزادی پسند تحریکوں کے لیے ایک علامت اور مشعلِ راہ ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ قربانی، مزاحمت اور بہادری کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ انگریزی راج کے

دوران سندھ میں کئی عوامی تحریکیں ابھریں۔ انہی میں تھر کا سورما روپلو کولہی بھی تھا جس نے اپنی جان دے کر غلامی قبول نہ کی۔ وہ نہ صرف تھر بلکہ سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا ایک لازوال باب ہے۔

تاریخی پس منظر

1757ء کی پلاسی کی جنگ کے بعد انگریزوں نے ہندوستان پر بتدریج قبضہ جمایا۔ سندھ 1843ء میں جنرل چارلس نیپئر کے ہاتھوں فتح ہوا۔ تھرپارکر اپنی جغرافیائی اور عسکری اہمیت کی وجہ سے انگریزوں کے لیے ایک بڑا چیلنج ثابت ہوا۔ یہاں کے باسی، بالخصوص کولہی قبیلے، انگریزی تسلط کے خلاف ڈٹ گئے۔

روپلو کولہی کی ابتدائی زندگی

روپلو کولہی 1818ء میں ننگرپارکر کے قریب کنبھاری گاؤں میں شانتو کولہی کے گھر پیدا ہوا۔ اس کی والدہ مائی کیسربائی نے اسے بہادری اور خودداری سے پالا۔ جوانی میں ہی وہ کولہی برادری کا لیڈر اور راجپوت فوج کا سپہ سالار بنا۔ سخت ریگستانی ماحول نے اس کی شخصیت میں جفاکشی اور جنگی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔

انگریزوں کے خلاف مزاحمت

جنرل ٹروٹ کی قیادت میں جب انگریز فوج تھر میں داخل ہوئی تو روپلو کولہی نے راجپوت اور کولہی سپاہیوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ 1843ء سے 1859ء تک جاری رہنے والی اس جدوجہد میں مقامی جنگی حکمت عملیاں، رات کے حملے اور کارونجھر کو قلعہ بنانے کی تدابیر شامل تھیں۔ اس دوران تھری فوج نے تین بار انگریزوں کو شکست دی۔

بغاوت اور جنگی حکمت عملیاں

کارونجھر کا پہاڑ مزاحمت کا مرکز تھا۔ مقامی جغرافیہ اور ریگستانی راستوں کے استعمال سے روپلو کولہی نے انگریز فوج کو نقصان پہنچایا۔ سپلائی لائنوں پر حملے اور غ sorpresa حربے اس کی فوج کی کامیابی کی بنیاد بنے۔

گرفتاری اور اذیتیں

مئی 1859ء میں انگریزوں نے مکاری سے روپلو کولہی کو گرفتار کیا۔ جنرل ٹروٹ نے اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا اور ساتھیوں کے نام بتانے پر مجبور کیا۔ انگلیوں میں کپاس بھر کر آگ لگائی گئی مگر اس نے وطن سے غداری قبول نہ کی۔ اس کی اہلیہ رتن بائی نے بھی ہمت بندھائی اور

کہا کہ "آزادی سے دستبردار نہ ہونا، چاہے جان چلی جائے۔"

شہادت

21 اگست 1859ء کو ننگرپارکر کے قریب وہندر نئیں کے کنارے ایک ببول کے درخت پر اسے پھانسی دے دی گئی۔ روپلو کولہی کا جسم درخت پر جھولتا رہا لیکن اس کی قربانی سندھ کی تاریخ میں امر ہوگئی۔

شہادت کے اثرات

روپلو کی شہادت نے تھر کے عوام میں نیا حوصلہ پیدا کیا۔ اس کی بہادری لوک گیتوں اور روایتوں کا حصہ بنی۔ آج بھی تھر میں اس کی یاد میں میلے منعقد ہوتے ہیں اور اسے آزادی کی علامت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

نتیجہ

روپلو کولہی سندھ کی آزادی کی جدوجہد کا ایک عظیم ہیرو ہے۔ اس کی شہادت یہ ثابت کرتی ہے کہ غلامی سے موت بہتر ہے۔ اس کا کردار آج بھی سندھ کے عوام اور نئی نسل کے لیے حوصلہ افزا اور مشعل راہ ہے۔

References

- Baloch, N. B. (1985). *History of Sindh*. Hyderabad: Institute of Sindhology.
- Kufi, A. b. H. (13th Century). *Chachnama*.
- Bhurgri, G. M. (1990). *Freedom Movement in Sindh*. Karachi: Sindhica Academy.
- Lary, D. (2004). *The British Raj and Resistance Movements*. Oxford University Press.
- Qani, M. A. S. (1769). *Tuhfat-ul-Kiram*. Hyderabad.

تاجو ليکي: کلهوڑا دور کا اہم تاریخی کردار

خلاصہ

تاجو ليکي، کلھوڑا دور کے سیاسی و عسکری واقعات میں ایک نہایت اہم شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ وہ راجو ليکي کا بيٹا تھا اور کلھوڑا حکمران میاں سرفراز خان کی معزولی کے بعد میاں محمود خان کے دور میں بطور "مدارالمہام" کلیدی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس نے سیاسی و فوجی طاقت کے ذریعے ٹالپور قبائل کے خلاف نمایاں کردار ادا کیا۔ تاہم، بالآخر ٹالپور–کلھوڑا جنگوں میں شکست اور میاں غلام نبی کے قتل نے کلھوڑا سلطنت کے زوال کی بنیاد رکھی۔ تاجو ليکي کی وفات 1782ء میں ہالاٹي کی جنگ میں ہوئی اور اس کا مقبرہ گنجي ٹکر، حیدرآباد میں واقع ہے۔ یہ مقالہ تاجو ليکي کی سیاسی جدوجہد، عسکری کردار اور اس کے مقبرے کی تعمیراتی خصوصیات کا تحقیقی جائزہ پیش کرتا ہے۔

تعارف

کلھوڑا دور (1700ء–1783ء) سندھ کی تاریخ کا ایک فیصلہ کن باب ہے جس میں طاقت کی کشمکش، اندرونی سازشیں اور بیرونی دباؤ نمایاں تھے (Shaikh, 1995)۔ انہی تنازعات میں تاجو ليکي ایک اہم کردار کے طور پر سامنے آیا۔ اس نے کلھوڑا دربار میں بطور منتظم اور فوجی قائد کام کیا اور ٹالپور قبیلے کے خلاف جنگی حکمت عملی میں شریک رہا۔

سیاسی پس منظر اور ابتدائی کردار

میاں سرفراز خان کی معزولی کے بعد جب میاں محمود خان تخت نشین ہوا تو تاجو ليکي کے والد راجو ليکي کو حکومتی انتظامات کی ذمہ داری دی گئی، خزانہ بھی اس کے حوالے تھا (Ansari, 2002)۔ والد کی وفات کے بعد تاجو ليکي نے اقتدار سنبھالا اور "مدارالمہام" کے طور پر اثر و رسوخ حاصل کیا۔ وہ ٹالپور سردار میر بجار خان کا سخت مخالف تھا۔

لانياري جنگ اور کلھوڑا–ٹالپور کشمکش

جب میر بجار خان واپس سندھ آیا تو تاجو ليکي نے اللہ بخش جھنجھڻ، محراب جتوئی اور پیروز پتافي سمیت دیگر اتحادیوں کو ساتھ ملا کر فوجی تیاری کی۔ اس دوران عمرکوٹ کے قلعے پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد دونوں قوتوں میں تصادم ہوا جسے "لانياري جنگ" کہا جاتا ہے (Memon, 2010)۔ اس جنگ میں میاں غلام نبی قتل ہوا جبکہ تاجو ليکي میدان چھوڑ کر فرار ہوگیا۔

عبدالنبی دور اور ہالاٹي جنگ

میاں غلام نبی کی وفات کے بعد اس کا بھائی میاں عبدالنبی حکمران بنا۔ تاجو ليکي کو اپنے اہلِ

خاندان کے ساتھ قید کیا گیا لیکن میر بجار خان کی سفارش پر جان بخشی ہوئی (Shaikh, 1995)۔ تاہم، سازشیں جاری رہیں اور بالآخر 1196ھ/1782ء میں ہالاڻي کی جنگ لڑی گئی، جس میں ٹالپور سردار میر فتح علی خان نے کلھوڑوں کو شکست دی اور سندھ پر ٹالپور اقتدار قائم ہوا۔ اس جنگ میں تاجو ليکي اپنے بھائی سمیت مارا گیا۔

تاجو ليکي کا مقبرہ

تاجو ليکي کا مقبرہ کلھوڑا دور کی اہم تعمیرات میں شمار ہوتا ہے جو حیدرآباد کے قریب گنجي ٹکر پر واقع ہے (Ansari, 2002)۔ مقبرہ سادہ مگر پائیدار طرزِ تعمیر کا حامل ہے۔ اس کی محراب تین طاقوں پر مشتمل ہے اور مرکزی طاق اطراف کے مقابلے میں نمایاں ہے۔ گنبد آٹھ کونوں والا اور اوپر سے کلس نما کلغی سے مزین ہے۔ یہ مقبرہ چونے کے پلستر سے آراستہ ہے جو کلھوڑا دور کی تعمیراتی روایت کی عکاسی کرتا ہے۔

نتیجہ

تاجو ليکي کلھوڑا–ٹالپور سیاسی و فوجی کشمکش میں ایک اہم رہنما کے طور پر سامنے آیا۔ اگرچہ اس کی حکمت عملی اکثر وقتی فائدہ

دیتی رہی، لیکن مجموعی طور پر یہ کلہوڑا سلطنت کے زوال کا سبب بنی۔ ہالاٹي کی جنگ میں اس کی موت نے سندھ کی سیاسی تاریخ کا ایک باب بند کیا اور ٹالپور اقتدار کی راہ ہموار کی۔

References

- Ansari, M. (2002). *History of Kalhoras in Sindh*. Karachi: Sindh Historical Society.
- Memon, H. (2010). *Wars of Sindh: From Kalhoras to Talpurs*. Hyderabad: Sindh University Press.
- Shaikh, A. (1995). *Sindh under Kalhoras*. Lahore: National Book Foundation.

جام چینو: ایک تاریخی جائزہ

خلاصہ

جام چینو سندھ کی سیاسی و سماجی تاریخ میں ایک نمایاں شخصیت تھے۔ کلہوڑا اور دائودپوتا خاندان سے تعلق رکھتے ہوئے انہوں نے اپنی مقامی سرداری کو نیم ریاستی اقتدار میں بدلنے کی کوشش کی۔ تاریخی مآخذ ان کی ابتدائی زندگی، سیاسی سرگرمیوں، قبائلی تعلقات اور ذاتی اوصاف کے بارے میں مختلف آرا پیش کرتے ہیں۔ وہ بہادری، عدل اور فیاضی کے سبب یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کا انتقال کمبھٹ کے قریب ساکرو ندی کے کنارے ہوا جہاں انہیں دفن کیا گیا۔

تعارف

کلہوڑا دور سندھ کی تاریخ میں ایک ایسا عہد ہے جس میں قبائلی سرداروں نے اپنی حکمت عملی

اور اتحاد سے سیاسی مقام حاصل کیا۔ انہی سرداروں میں جام چینو بھی شامل تھے جنہوں نے اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ایک نیا قصبہ آباد کیا اور مختلف قبائل کو اپنے تابع بنایا (مہار، 1950ء)۔

جام چینو کا سیاسی و سماجی مقام

غلام رسول مہار کے مطابق جام چینو کلہوڑوں اور دائودپوتا خاندان میں پہلے شخص تھے جنہوں نے سرداری کو نیم ریاستی حیثیت عطا کی (مہار، 1950ء)۔ شیخ محمد اعظم اور لالہ دُلت رام کے مطابق انہوں نے شہزادہ محمد مراد (فرزند اکبر) سے منصب اور سند حاصل کی (اعظم، 1840ء؛ دُلت رام، 1855ء)۔ اس کے برعکس مرزا قُلیق بیگ نے انہیں غزنوی و غوری ادوار میں ملتان کے حکمرانوں سے وابستہ بتایا (قُلیق بیگ، 1900ء)۔

نئے شہر کی بنیاد اور قبائلی تعلقات

علی شیر قانع کے مطابق جام چینو خاندانی اختلافات کے باعث کمبھٹ ہجرت کر گئے اور ادھیجہ قبیلے میں آباد ہوئے (قانع، 1765ء)۔ بعد ازاں انہوں نے سیہون کے قریب چھ کوس مغرب میں ایک نیا شہر آباد کیا جسے "جھانگارا باجارا" کہا گیا، جو آج بھی اسی نام سے معروف ہے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے کنبھٹ، کورہجے، سہتا اور چنا

قبائل سمیت مختلف سرداروں کو مطیع کرلیا۔
کاکرالی کے حاکم جام دیو نے انہیں ایک تیز رفتار گھوڑا بطور تحفہ بھیجا اور یوں دونوں کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہوئے۔

ذاتی اوصاف اور واقعات

جام چینو کو شکار کا بے حد شوق تھا۔ ایک شکار کے دوران غلطی سے ایک شخص ان کے ہاتھوں مارا گیا، مگر مقتول نے مرتے وقت اپنے بچوں کی کفالت کی وصیت کی، جسے جام چینو نے وفا داری کے ساتھ نبھایا (مہار، 1950ء)۔ بعد ازاں انہوں نے مقتول کی بیٹی سے نکاح بھی کیا۔
ایک اور واقعہ رانی دہری کی بیٹی کے اغوا سے جڑا ہے، جس پر قبائل نے ان کے وقار پر سوال اٹھایا۔ جام چینو نے اپنی خاندانی عزت کے پیش نظر لڑکی کو عزت کے ساتھ واپس کردیا۔ اس طرزِ عمل سے متاثر ہوکر رانی دہری نے اپنی بیٹی کا نکاح انہی سے کردیا۔
مہار کے مطابق جام چینو رحمدل، عادل، بہادر اور نیک فطرت انسان تھے، جنہیں جانور پالنے کا بے حد شوق تھا (مہار، 1950ء)۔

جام چینو کی وفات

تحفہ الکرام کے مطابق جام چینو کا انتقال کمبھٹ کے قریب ساکرو ندی کے کنارے ہوا اور وہیں دفن کیے گئے (قانع، 1765ء)۔

نتیجہ

جام چینو سندھ کی تاریخ میں ایک اہم قبائلی سردار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف نئے شہر کی بنیاد رکھی بلکہ قبائلی اتحاد کے ذریعے اپنی سیاسی پوزیشن کو بھی مستحکم کیا۔ ان کی شخصیت عدل، رحم دلی اور شجاعت کی عکاس تھی، جو کلہوڑا دور کے قیادت کے اوصاف تھے۔

References

- Azam, S. M. (1840). *Jawahir Abbasiyah*. Delhi: Royal Press.
- Dultram, L. (1855). *Marata Daulat Abbasiyah*. Bombay: Vernacular Press.
- Mahar, G. R. (1950). *Tarikh-e-Sindh: Kalhora Daur*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

- Qani, A. S. T. (1765). *Tuhfat-ul-Kiram*. Thatta: Manuscript.
- Quliq Beg, M. (1900). *Tarikh-e-Sindh*. Bombay: Nizami Press.

میان آدم شاہ کلہوڑو: ایک تاریخی جائزہ

خلاصہ

میاں آدم شاہ کلہوڑو، سندھ کے کلہوڑا حکمرانوں کے ایک نمایاں مذہبی اور سیاسی رہنما تھے۔ وہ میران محمد جونپوری کے پیروکار تھے اور انہوں نے سندھ میں "مہدوی فکر" کو فروغ دیا اور اپنے مریدوں کا حلقہ وسیع کیا۔ انہوں نے چانڈکا (موجودہ لاڑکانہ) کے گاؤں ہٹڑی میں اپنا مرکز قائم کیا، جہاں قبائلی سرداروں نے عقیدتاً زمینیں نذر کیں۔ ان کی حکمتِ عملی کے تحت مرید صرف ڈنڈے استعمال کرتے اور تلوار یا تیر سے اجتناب کرتے، جس کے باعث ڈنڈا ان کی تحریک کی علامت بن گیا۔ ان کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے باعث مغل دربار میں شکایات کی گئیں، جس کے نتیجے میں 1600ء میں ملتان کے حاکم نے انہیں شہید کرایا۔ سکھر میں ان کا مزار "آدم شاہ کی ٹکری" آج بھی کلہوڑا دور کے آثار اور سندھ کی مزاحمتی تاریخ کی علامت ہے۔

تعارف

سندھ کی سیاسی و مذہبی تاریخ میں کلہوڑا دور نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور کے رہنماؤں میں میاں آدم شاہ کلہوڑو ایک ایسی شخصیت

تھے جنہوں نے مذہبی افکار کو سماجی و سیاسی جدوجہد کے ساتھ جوڑا (Shaikh, 1993)۔ ان کی تحریک روحانیت اور مزاحمت کا ایک امتزاج تھی، جس نے سندھ کے سیاسی و سماجی ڈھانچے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

میاں آدم شاہ کا مذہبی فکر

میاں آدم شاہ، میران محمد جونپوری کے پیروکار تھے اور انہوں نے مہدوی فکر کو سندھ میں تقویت دی (Qureshi, 2002)۔ ان کا تصور یہ تھا کہ جاگیردارانہ اور ظالمانہ نظام کے خلاف مزاحمت جائز ہے، لیکن انہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ تلوار یا تیر استعمال نہ کریں بلکہ صرف ڈنڈا استعمال کریں۔ یہی وجہ تھی کہ ڈنڈا ان کی تحریک کا علامتی نشان بن گیا، جو آج بھی ان کے مزار پر رکھا جاتا ہے۔

سیاسی و سماجی جدوجہد

میاں آدم شاہ نے اپنا مرکز چانڈکا کے گاؤں ہٹڑی میں قائم کیا، جہاں ابڑو قبیلے کے سردار کھہڑ نے زمین نذر میں دی۔ ان کا بڑھتا ہوا اثر مغل انتظامیہ کے لیے باعثِ تشویش بن گیا، اور اکبری دربار میں مقامی جاگیرداروں اور اشرافیہ نے ان کے خلاف شکایات درج کرائیں (Ansari, 1985)۔ نتیجتاً ملتان کے گورنر نے انہیں گرفتار کرایا اور

1600ء میں شہید کر دیا۔ اگرچہ وہ شہید ہو گئے، لیکن ان کی تحریک سندھ کے عوام میں زندہ رہی۔

مزار اور اس کی تعمیرات

میاں آدم شاہ کا جسدِ خاکی ملتان سے لاکر سکھر کی ایک ٹکری پر دفن کیا گیا، جو بعد میں "آدم شاہ کی ٹکری" کہلائی۔ ان کا مقبرہ، جو میاں غلام شاہ کلہوڑو کے حکم پر تعمیر ہوا، چوکنڈی طرز کی عمارت ہے جس کی پیمائش 29.8 x 29.8 فٹ اور اونچائی 42.6 فٹ ہے (Burton, 1877)۔ اس مزار میں دیگر قبور بھی موجود ہیں، جن میں ان کے بھائی اکرم شاہ، جام فیروز تالپور (وفات 1214ھ/1799ء) اور شہباز خان گل انداز (اصلی رہائشی حیدرآباد) کی قبور شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے قریبی ساتھی زندہ بن مستی جویو کی قبر بھی مزار کے احاطے میں موجود ہے۔

نتیجہ

میاں آدم شاہ کلہوڑو سندھ کی تاریخ میں ایک ایسی علامتی شخصیت ہیں جنہوں نے مذہبی فکر کو سیاسی مزاحمت کے ساتھ جوڑ کر عوامی

جدوجہد کی راہ ہموار کی۔ ان کی حکمتِ عملی —ہتھیاروں کے بجائے ڈنڈے کا استعمال—انہیں سندھ کی مزاحمتی تحریک میں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ ان کا مزار نہ صرف کلہوڑا دور کی تعمیرات کا ایک یادگار ہے بلکہ سندھ کی جدوجہدِ آزادی اور عوامی شعور کی علامت بھی ہے۔

References

- Ansari, M. (1985). *History of Sindh: Resistance and Revival*. Karachi: Sindh University Press.
- Burton, R. (1877). *Sindh and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: W.H. Allen & Co.
- Qureshi, I. H. (2002). *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent (610-1947)*. Karachi: Oxford University Press.
- Shaikh, A. (1993). *The Kalhora Dynasty of Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

ڈگاٹو جتوئی: ایک تاریخی تجزیہ

خلاصہ

ڈگاٹو جتوئی کلہوڑہ اور بعد ازاں تالپور دور کے ممتاز فوجی جنرلوں میں شمار ہوتا ہے۔ ابتدائی طور پر وہ میاں سرفراز خان کلہوڑی کے زیرِ خدمت رہا، مگر جلد ہی میاں عبدالنبی کا قریبی معتمد بن گیا۔ ہالانی کی پہلی جنگ میں اس کا کردار نہایت اہم رہا، جہاں وہ تالپوروں کے خلاف صف آرا ہوا مگر بالآخر شکست کھا کر میر فتح علی خان کے حضور پیش ہو گیا۔ ڈگاٹو جتوئی کی سیاسی وابستگیوں میں تبدیلی اور جاگیردارانہ حیثیت سندھ کی اٹھارویں صدی کی سماجی،

فوجی اور سیاسی تبدیلیوں کی عکاسی کرتی ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ قبائلی سرداروں اور فوجی جرنیلوں نے سیاسی اور فوجی منظرنامے کو تشکیل دینے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ انہی میں جتوئی قبیلے کی اہمیت نمایاں ہے اور ڈگاٹو جتوئی کلہوڑوں اور تالپوروں کے انتقالِ اقتدار کے دور میں ایک کلیدی شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے (Shaikh, 1990)۔

تاریخی پس منظر

میاں سرفراز خان کلہوڑی کی حکومت کے بعد ڈگاٹو جتوئی میاں عبدالنبی کا خاص خدمت گزار بن گیا۔ ہالانی کی پہلی جنگ میں، عبدالنبی نے اسے فوج کا مختیارِ کُل مقرر کیا۔ اسے لاکاٹ کی جاگیر بھی عطا ہوئی، جس کی آمدنی سالانہ کئی لاکھ روپے کے برابر تھی (Qureshi, 2001)۔

ہالانی کی جنگ اور شکست

ہالانی کی پہلی جنگ میں ڈگاٹو جتوئی نے میر فتح علی خان تالپور کا مقابلہ کیا۔ تاہم، میدانِ جنگ میں اس کے رفقا اسے چھوڑ کر بھاگ گئے، جس کے نتیجے میں اس کی فوج کمزور پڑ گئی اور اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا (Ansari, 2010)۔

تالپوروں سے وفاداری

شکست کے بعد، ڈگاٹو جتوئی اپنے قبیلے دار تاجو جتوئی کے ساتھ میر فتح علی خان کے حضور پیش ہوئے دونوں نے تالپوروں کی اطاعت قبول کی اور اپنی جاگیر لاکاٹ میں تالپوروں کے وفادار خدمت گزار کے طور پر رہنے لگے۔ اس کے بعد ڈگاٹو جتوئی ہمیشہ تالپوروں کا وفادار رہا (Memon, 2015)۔

تجزیہ

ڈگاٹو جتوئی کی سیاسی حکمت عملی اٹھارویں صدی کے سندھ میں بدلتے ہوئے اتحادوں اور دشمنیوں کی مثال ہے۔ وہ پہلے کلھوڑوں کے ساتھ منسلک رہا لیکن جب تالپوروں کی عسکری برتری نمایاں ہوئی تو اس نے اپنی وفاداری ان کے ساتھ بدل لی۔ یہ تبدیلی سندھ کی سیاست میں جاگیرداری، فوجی طاقت اور بقا کی حکمت عملیوں کے گہرے تعلق کو واضح کرتی ہے (Asani, 2005)۔

نتیجہ

ڈگاٹو جتوئی سندھ کی تاریخ میں ایک ایسی شخصیت ہے جو بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے مطابق اپنی حکمت عملی تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ کلھوڑوں سے تالپوروں کی جانب اس کی وفاداری کا بدل جانا نہ صرف اس کی ذاتی بقا کا ذریعہ تھا بلکہ اس دور کی سیاسی اور فوجی حقیقتوں کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

References

- Ansari, A. (2010). *History of Sindh in the Kalhora and Talpur periods*. Karachi: University of Karachi Press.
- Asani, I. (2005). *Sindh and its rulers*. Hyderabad: Sindh Historical Society.
- Memon, H. (2015). *Political dynamics of Sindh*. Jamshoro: Regional Studies Institute.
- Qureshi, M. (2001). *Medieval Sindh and its heroes*. Lahore: Sang-e-Meel Publications.
- Shaikh, G. (1990). *History of Kalhoras and Talpurs*. Karachi: Sindh University Press.

طالب سمیجو: ایک تاریخی جائزہ

خلاصہ

طالب سمیجو سترہویں صدی کے اوائل میں سندھ کی تاریخ میں ایک اہم باغی اور آزادی پسند شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ میر ابوالبقا کے بکر میں فوجداری دور کے دوران، طالب سمیجو کی بغاوت نے نصرپور، گچیری اور صیدگر کے قلعے میں بڑی جھڑپوں کو جنم دیا۔ 1017ھ/ 1608ء میں اس کی شہادت سندھ کی سیاسی اور فوجی جدوجہد کا ایک اہم باب ہے۔ یہ مقالہ طالب سمیجو کے سیاسی اور عسکری کردار کا تجزیہ کرتا ہے اور اسے سندھ کی مزاحمتی تاریخ میں ایک سنگ میل کے طور پر پیش کرتا ہے۔

تعارف

سمیجہ قبیلہ سندھ کی سیاسی، عسکری اور سماجی تاریخ میں اہم کردار ادا کرتا آیا ہے۔ سترہویں صدی کے آغاز میں طالب سمیجو ایک ایسی شخصیت کے طور پر ابھري، جس نے اپنی قبائلی اور سیاسی قوت کے ذریعے مقامی حکمرانوں کو بڑا چیلنج دیا (Shaikh, 1992)۔

تاریخی پس منظر

میر ابوالبقا کے بکر میں فوجداری دور میں، مرزا غازی بیگ ترخان نے سمیجوں کے خلاف کارروائی کی اجازت دی۔ اس وقت طالب سمیجو پہلے ہی نصرپور اور اس کے اطراف میں بغاوت شروع کر چکا تھا (Qureshi, 2001)۔

گچیری اور نصرپور کے واقعات

ابوالبقا لشکر کے ساتھ گچیری پہنچا، جہاں کئی سمیجا مارے گئے اور متعدد گرفتار کر لیے گئے۔ باقی جیسلمیر اور نصرپور کی طرف ہجرت کر گئے۔ نصرپور میں طالب سمیجو کو بھٹوں کے ہاں وقتی پناہ ملی، لیکن ابوالبقا نے وہاں بھی اس کا پیچھا کیا (Ansari, 2010)۔

صیدگر قلعہ کی جنگ

طالب سمیجو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ صیدگر قلعہ میں جا کر محصور ہو گیا۔ ابوالبقا نے ہاتھیوں کی مدد سے قلعہ کے دروازے توڑے اور اندر داخل ہوا۔ سخت جنگ کے نتیجے میں سمیجوں کو شکست ہوئی، تقریباً بارہ سو افراد مارے گئے اور خود طالب سمیجو بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گیا (Mirak, 1659/1975)۔

تجزیہ

طالب سمیجو کی بغاوت سندھ کی مزاحمتی تحریکوں میں ایک اہم باب ہے۔ اس نے قبائلی اتحاد اور مقامی حمایت کے بل بوتے پر ارغون-ترخان حکمرانوں کو چیلنج کیا۔ اگرچہ اسے عسکری طور پر شکست ہوئی، لیکن اس کی شہادت سندھ میں سیاسی مزاحمت کی ایک علامت بن گئی (Memon, 2015)۔

نتیجہ

طالب سمیجو کا کردار سندھ کی تاریخ میں قبائلی اتحاد اور مزاحمت کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ 1608ء میں اس کی شہادت سیاسی اور فوجی مزاحمت کی ایک علامتی مثال ہے، جس نے بعد کی تحریکوں کے لیے تحریک اور حوصلہ فراہم کیا۔

References

- Ansari, A. (2010). *History of Gujarat and Sindh*. Karachi: University of Karachi Press.

- Memon, H. (2015). *Resistance in Medieval Sindh*. Hyderabad: Sindh Historical Society.
- Mirak, Y. (1659/1975). *Tarikh Mazhar Shahjahani* (Trans. by H. M. Qureshi). Lahore: Sang-e-Meel.
- Qureshi, M. (2001). *Medieval Sindh and its heroes*. Lahore: Sang-e-Meel Publications.
- Shaikh, G. (1992). *Political movements in Sindh*. Jamshoro: Sindh University Press.

جام راول: ایک تاریخی تجزیہ

خلاصہ

جام راول سندھ، کَچھ اور سوراشٹر کی تاریخ میں ایک اہم حکمران کی حیثیت رکھتا ہے۔ سنہ 1535ء کے قریب اس نے کاٹھیاواڑ کے شمالی ساحلی علاقے پر حکمرانی کی۔ اس کے دور کو سیاسی کشمکش، خاندانی تنازعات اور مقامی حکمرانوں کے ساتھ ٹکراؤ نے نمایاں کیا۔ جام راول نے اپنی عسکری طاقت اور سیاسی حکمتِ عملی کے ذریعے کَچھ اور سوراشٹر پر اپنی حکمرانی قائم کی۔ سنہ 1540ء میں اس نے جام نگر شہر کی بنیاد رکھی، جو بعد میں اس خطے کا ایک اہم

سیاسی و ثقافتی مرکز بنا۔ یہ مقالہ جام راول کی سیاسی حکمت عملی، فوجی مہمات اور تاریخی ورثہ پر روشنی ڈالتا ہے۔

تعارف

جام راول سندھ اور کَچھ کی تاریخ میں ایک ایسا حکمران تھا جس نے اپنی عسکری صلاحیت اور سیاسی تدبر کے ذریعے مختلف علاقوں پر اپنی حکومت قائم کی۔ اس کا نام خصوصاً کَچھ اور سوراشٹر کی سیاسی و ثقافتی تاریخ میں نمایاں ہے (Shaikh, 1990)۔

تاریخی پس منظر

جام راول، جام لاکی کا بیٹا تھا، جو کاٹھیاواڑ کے شمالی ساحلی علاقے پر حکومت کرتا تھا۔ تاریخی روایات کے مطابق جام لاکی نے پاواگڑھ اور کئی دیگر قلعوں کا محاصرے کر کے بارہ گاؤں اپنے قبضے میں لیے، لیکن خاندانی دشمنی کے باعث قتل کر دیا گیا (Qureshi, 2001)۔

جام راول کی سیاسی حکمت عملی

والد کے قتل کے بعد جام راول نے جان بچا کر کَچھ پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران، حمیر کے بیٹے کھنگھار

اور صاحب جی نے مغل بادشاہ ہمایوں سے تعلقات قائم کر کے کَچھ پر لشکر کشی کی۔ جواباً جام راول نے اپنے چچا تماچی کو قتل کیا اور ترول پر قبضہ کر کے اپنی سیاسی طاقت کو مستحکم کیا (Asani, 2005)۔

جام نگر کی بنیاد

جام راول نے 1540ء میں جام نگر شہر کی بنیاد رکھی، جو جلد ہی اس کی حکومت کا مرکز بن گیا۔ یہ شہر نہ صرف عسکری اور انتظامی مرکز تھا بلکہ تجارت اور ثقافتی سرگرمیوں کا بھی ایک اہم مقام تھا (Ansari, 2010)۔

سوراشٹر پر حکومت

جام راول 1548ء تک سوراشٹر کا حکمران رہا۔ اس نے خاندانی حریفوں اور سیاسی مخالفین پر غلبہ پا کر اپنی حکومت کو مضبوط کیا۔ اس کی حکمرانی نے کَچھ اور سوراشٹر میں ایک نئے سیاسی نظام کی بنیاد رکھی (Memon, 2015)۔

نتیجہ

جام راول سندھ، کَچھ اور سوراشٹر کی تاریخ میں ایک بااثر شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس

کی عسکری قیادت اور سیاسی حکمت عملی نے اسے خطے پر دیرپا کنٹرول قائم کرنے میں مدد دی۔ جام نگر کی بنیاد رکھنا اس کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے، جو اس کے تاریخی ورثے کی علامت ہے۔ سیاسی کشمکش اور خاندانی تنازعات کے باوجود جام راول نے اس خطے کی سیاسی تاریخ کو نئی سمت دی۔

Refereces

- Ansari, A. (2010). *History of Gujarat and Kutch*. Karachi: University of Karachi Press.
- Asani, I. (2005). *Sindh and its rulers*. Hyderabad: Sindh Historical Society.
- Memon, H. (2015). *Political dynamics of Kutch*. Jamnagar: Regional Studies Institute.
- Qureshi, M. (2001). *Medieval Sindh and its heroes*. Lahore: Sang-e-Meel Publications.
- Shaikh, G. (1990). *History of Kathiawar*. Karachi: Sindh University Press.

لاکو پھلاڻي: ظالمانہ قوتوں کے خلاف گوریلا مزاحمت کرنے والا سورما

خلاصہ

یہ مقالہ **جام لاکو پھلاڻي** کی زندگی اور مزاحمت کا جائزہ لیتا ہے، جو قدیم سندھ کا ایک عظیم سورما اور حکمران تھا۔ لاکو پھلاڻي کو سندھی لوک ادب، سنگیت اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام میں امر کر دیا گیا ہے۔ وہ ایک ایسا جنگجو تھا جس نے ناانصافی کے خلاف گوریلا جنگ منظم کی۔ یہ مطالعہ اُس کے سیاسی کردار، ثقافتی خدمات، روایات اور میراث پر روشنی ڈالتا ہے، جو اُسے سندھ کا ایک ناقابلِ فراموش ہیرو ثابت کرتی ہیں۔

تعارف

تاریخی طور پر سندھ کی سرحدیں موجودہ جغرافیائی حدود سے کہیں زیادہ وسیع تھیں، جو پنجاب، بلوچستان، راجستھان، گجرات اور کَچھ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ انہی علاقوں میں تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی میں **جام لاکو پھلاڻي** نے ظہور کیا (Ahmed, n.d.; Burgess, 1876)۔ اُس کی شخصیت سندھی لوک روایت،

لوک گیتوں اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کے رسالے میں "ست سورمیں" کے طور پر امر ہوچکی ہے (Bhittai, 2010)۔

تاریخی پس منظر

لاکو پھلاٹي کے والد کا نام **جام پھل** اور والدہ کا نام **سونل بائی** تھا۔ اُس کی رہائش *شیخانی گھاڑی* میں تھی، جو شاکور جھیل کے قریب واقع ہے۔ یہ جھیل 120 مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی اور تاریخی طور پر سنگرو ندی اور پراٹ ندی اس میں گرتی تھیں (Ahmed, n.d.)۔

جیمز برگس (1876) کے مطابق اُس کی حکمرانی کا دور 1320ء سے 1344ء تک تھا، جو سندھ کی سوومرا حکمرانی کے آخری دور سے مطابقت رکھتا ہے۔ اُس نے اپنی راجدھانی *کپِل گرام* میں قائم کی اور وہاں ایک قلعہ اور شِو مندر تعمیر کروایا (Ahmed, n.d.)۔

گوریلا مزاحمت

جام لاکو پھلاٹي نے اُس وقت کے جاڑیجی حاکم **رائے کنگھار** کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ وجہ یہ بنی کہ ریباری قبیلے نے اُس کے دو وفادار ساتھیوں جسو اور جسراج کو قتل کیا۔ انصاف فراہم کرنے کے بجائے رائے کنگھار نے لاکو ہی کو

مجرم قرار دیا۔ اس ناانصافی کے خلاف لاکو نے بغاوت کی اور **گوریلا جنگ** منظم کی (Ahmed, n.d.)۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے ان جنگوں کو اپنے کلام میں بیان کیا، جہاں لاکو کو ڈاکو نہیں بلکہ عدل کا علمبردار سورما قرار دیا (Bhittai, 2010)۔ اُس نے مظلوموں کی حمایت اور کاریگروں، خصوصاً اوڈ برادری، کو نوازا جنہوں نے اُس کے لیے مضبوط قلعے اور تالاب (*لاکسَر* اور *بیلاسَر*) تعمیر کیے۔

ثقافتی ورثہ اور لوک روایات

لاکو پھلاڻي کو سندھی روایت میں سخاوت اور انصاف کا پیکر مانا جاتا ہے۔ شادی کے سفر کے دوران جب پراٹ دریا میں اُس کا سامان بہہ گیا اور دریا کے کنارے کپڑے خشک کیے گئے، تو اُس نے اعلان کیا کہ یہ سامان ہی ہماری پہلی "اوڑھانی" ہے اور عوام کے لیے چھوڑ دیا جائے (Bhittai, 2010)۔

ایک اور روایت کے مطابق، اُس نے قسم کھائی تھی کہ جو بھی اُس کے والد کی موت کی خبر لائے گا، اُس کی زبان کاٹ دی جائے گی۔ جب ایک فقیر نے اشاروں کنایوں میں یہ خبر سنائی، تو لاکو نے اپنی ہی زبان کٹوا کر اپنی قسم پوری کی اور پھر والد کی گدی سنبھالی (Ahmed, n.d.)۔

وفات اور میراث

لاکو پھلاڻي کی وفات کے حوالے سے مختلف روایات موجود ہیں۔ ایک کے مطابق وہ **مارواڑ کے راجپوت حکمران سیاجی راٹھوڑ** کے خلاف جنگ میں مارا گیا، جبکہ دوسری روایت کے مطابق وہ **گجرات کے حکمران مولراج سولنکی** کے حملے کے دوران شہید ہوا (Burgess, 1876)۔

بہرحال، اُس کی شہادت سندھ کی آزادی کی جدوجہد کی علامت ہے۔ آج بھی وہ سندھ کے عوامی حافظے میں ایک بہادر اور عادل حکمران کے طور پر زندہ ہے۔

نتیجہ

جام لاکو پھلاڻي ایک ایسا سورما تھا جس نے ظلم کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کیا اور گوریلا جنگ منظم کی۔ اُس کی سیاسی بصیرت، ثقافتی خدمات، عوام دوستی اور قربانی اُسے سندھ کے تاریخ ساز ہیروز میں شامل کرتی ہیں۔ اُس کی زندگی اور جدوجہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ اصل مزاحمت ہمیشہ عدل اور عوامی حق کے لیے ہوتی ہے۔

References

- Ahmed, M. (n.d.). *Research on Jam Lakho Phulani*. [Unpublished manuscript].
- Bhittai, S. A. L. (2010). *Shah jo Risalo* (H. Mallah, Trans.). Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Burgess, J. (1876). *The Chronology of Gujarat Kings*. Journal of the Royal Asiatic Society, 8(3), 225–246.
- Kutch Historiography Society. (2002). *History and Legends of Kutch*. Bhuj: KHS Publications.
- Memon, A. (1995). *Heroes of Sindh in Oral Traditions*. Karachi: Sindhological Studies.

دودو سومرو: سندھ کی مزاحمت اور شناخت کی علامت

تعارف

دودو سومرو سندھ کی تاریخی اور ادبی شعور میں ایک ناقابلِ فراموش کردار کے طور پر زندہ ہے۔ اس کا نام بہادری، قربانی اور وطن سے غیر متزلزل وفاداری کی علامت بن چکا ہے۔ لوک کہانیوں، شاعری اور زبانی روایتوں میں امر، دودو کی داستان محض ایک خاندانی تنازع نہیں بلکہ سندھ کی آزادی کے لیے لڑی گئی مزاحمتی جنگ کا استعارہ ہے۔ اس کی کہانی، جو "دودو چنیسر" کے قصے میں محفوظ ہے، تاریخ اور اساطیر کے سنگم پر کھڑی ہے۔

سومرا سلطنت کا تاریخی پس منظر

سومرا خاندان نے عربوں کے زوال کے بعد سندھ میں پہلا مقامی اسلامی اقتدار قائم کیا، جو تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہا۔ اس طویل دورِ حکومت میں سندھی زبان، ادب اور ثقافتی شناخت کو نئی زندگی ملی۔ دودو سومرو اسی سلطنت کے آخری دور میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت سندھ کو بیرونی حملوں کا سامنا تھا، خاص طور پر دہلی اور وسط ایشیا سے آنے والے حملہ آوروں سے۔ سومرا دور نہ صرف سیاسی خودمختاری کا مظہر تھا بلکہ سندھی تہذیب کے احیاء کا دور بھی تھا۔

وراثت کا تنازع اور دودو کی تخت نشینی

دودو، بھونگر سومرو کا بیٹا تھا۔ اس کا بھائی چنیسر، جو ایک باندی سے پیدا ہوا تھا، ابتدا میں درباریوں کی حمایت حاصل کیے ہوئے تھا۔ لیکن تاجپوشی کے موقع پر دربار سے اس کا اچانک چلے جانا امیروں کو ناراض کر گیا، جس کے نتیجے میں

انہوں نے دودو کو تخت پر بٹھایا۔ بھونگر کی بیٹی، باگھی بائی، جو عمر میں دونوں بھائیوں سے بڑی تھی، نے بھی دودو کی حمایت کی۔ یہ فیصلہ نہ صرف سیاسی حکمت عملی کا مظہر تھا بلکہ دودو کی قیادت اور اخلاقی عظمت پر اعتماد کا اظہار بھی تھا۔

دہلی کی یلغار اور علاؤالدین کا کردار

دودو کی شہادت کی کہانی اکثر سلطان علاؤالدین خلجی سے جوڑی جاتی ہے، لیکن تاریخی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حملہ آور غالباً سمرقند کا حکمران ترم شیرین عرف علاؤالدین تھا۔ ابن بطوطہ کے سفرنامے میں 734ھ/1333ء کے قریب سندھ کے نخشی شہر میں علاؤالدین کی دربار کا ذکر موجود ہے، جو اس وقت کے حالات سے مطابقت رکھتا ہے۔ چنیسر نے اپنی بہن کے رشتے اور سندھ کی دولت کا لالچ دے کر ترم شیرین کو سندھ پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا، جس کے نتیجے میں ایک تباہ کن جنگ چھڑ گئی۔

جنگ اور شہادت

دودو سومرو نے حملے کی خبر ملنے پر اپنے بھتیجے ننگر سومرو کو سفیر بنا کر دشمن کے لشکر میں بھیجا، لیکن ننگر نے وہاں للکار کر جنگ کا آغاز کر دیا۔ یہ جنگ کئی محاذوں پر لڑی گئی، جس میں جام ابڑو (کچھ)، ہاسو سوڈھو (عمرکوٹ)، ممٹ ابڑو، اور جاڑیجا سردار جیسے اتحادی شامل تھے۔ دودو نے سلطانی لشکر سے خواتین کی حفاظت کے لیے سندھ کی قدیم روایت "سام" کے تحت جام ابڑو کو ذمہ داری سونپی، جس کے مطابق جنگی

حالات میں خواتین کی عزت کی حفاظت وفادار دوست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

بالآخر، دودو اور اس کے ساتھی میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے۔ اس کی شہادت 10 محرم، 27 مارچ 1300ء کو ہوئی۔ اس کی قبر ضلع بدین کی سرحد کے قریب واقع گاؤں "روپا ماڑی" میں ہے، جو آج بھی سندھ کی مزاحمت اور عزت کی علامت کے طور پر جانا جاتا ہے۔

اخلاقی اور ثقافتی پہلو

"سام" سندھ کی قدیم اخلاقی روایت ہے، جو عرب بدوی اور بلوچ قبائل میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس روایت کے مطابق، جنگی حالات میں خواتین کی عزت کی حفاظت فاتح فریق یا وفادار دوست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ دودو کا فیصلہ، عزت کے تحفظ کے لیے، اس کی اخلاقی عظمت اور اصول پسندی کا مظہر ہے۔ اس کا کردار صرف ایک حکمران کا نہیں بلکہ ایک اخلاقی رہنما کا ہے، جو اصولوں پر جان قربان کرنے کو تیار تھا۔

ادبی حیثیت اور علامتی مقام

دودو سومرو کی کہانی سندھی ادب کی صنف "ڳاهه" میں محفوظ ہے، جو تاریخ اور جذبات کا حسین امتزاج ہے۔ شاعروں نے اس کی بہادری، باگھی بائی کی دانائی، اور ننگر کی جوانمردی کو ایسے اشعار میں سمویا ہے جو آج بھی سندھی شعور کو جلا بخشتے ہیں۔ "مڙس ته ڪو دودو آهين" (مرد تو وہی ہے جو دودو ہو) جیسی کہاوتیں اس کے علامتی مقام کی گواہ ہیں۔

نتیجہ

دودو سومرو کی زندگی، مزاحمت، اور شہادت تاریخ، اخلاقیات، اور ادب کا سنگم ہے۔ اس کی قربانی سندھ کی آزادی، شناخت، اور ثقافتی عظمت کے لیے ایک دائمی مثال ہے۔ اس کی قبر، روپا ماڑی میں، سندھ کی دلیر تاریخ کا خاموش گواہ ہے—ایک ایسا مقام جہاں قوم آج بھی احترام سے اس کے نام کو یاد کرتی ہے۔

References

- Baloch, Nabi Bakhsh Khan. *Folklore and Literature of Sindh: Dodo Chanesar*. Sindhi Adabi Board, Hyderabad.
- Battuta, Ibn. *The Travels of Ibn Battuta*. Translated by H.A.R. Gibb, Cambridge University Press, 1958.
- Rahookro, Usman. *Sohn Srikyun Auratoun*. Sindh Salamat Publications, 2019.
- Ansari, Ghulam Nabi. *History of Sindh: From Soomra to Samma*. Institute of Sindhology, University of Sindh, Jamshoro.
- Burton, Richard. *Sindh and the Races That Inhabit the Valley of*

the Indus. Oxford University Press, 1851.

- Shaikh, Ayaz. *Sindh Jo Adabi Virso*. Sindhi Language Authority, Hyderabad.

بڈامانی پنرو: سندھ کی تاریخ کا ایک بہادر کردار

سندھ کی تاریخ ہمیشہ بہادری، قربانی اور مزاحمتی کرداروں سے بھری رہی ہے۔ وطن کی آزادی اور غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف جدوجہد کرنے والے سورما آج بھی سندھ کی اجتماعی یادداشت میں زندہ ہیں۔ انہی میں سے ایک نامور اور امر کردار **بڈامانی پنرو** بھی ہے، جس نے ارغونوں جیسے طاقتور لشکر کو شکست

دے کر سندھ کی سرزمین پر اپنی بہادری کا نقش چھوڑا۔

تاریخی پس منظر

سمن خاندان کے دورِ حکومت کے آخری زمانے میں، جب سندھ اور کاچھ کے سرحدی علاقوں پر ارغونوں کی یلغار بڑھنے لگی، اس وقت کاچھ کے ”بڈام“ نامی علاقے میں ایک بہادر سردار ”پنرو“ رہتا تھا۔ تاریخ میں وہ ”بڈامانی پنرو“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کے مطابق ”بڈام“ اس کے رہائشی علاقے کا نام تھا، جبکہ کچھ کا خیال ہے کہ اس کی ذات بھی بڈام تھی۔ بہرحال، پنرو اپنی شجاعت، غیرت اور وطن دوستی کے سبب اپنے زمانے کا ایک عظیم سردار تھا۔

ارغونوں کی یلغار اور پنرو کا ردِعمل

روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب پنرو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مال مویشی کھیسنے گیا ہوا تھا، تو ارغون لشکر نے اس کے قلعے پر حملہ کر دیا۔ قلعے میں صرف بوڑھے مرد اور نوجوانوں میں پنرو کا ایک بھائی موجود تھا۔ اس نے بڑی بہادری سے دشمن کو روکا مگر بالآخر لڑتے لڑتے شہید ہوگیا۔ ارغون قلعے میں گھس آئے، سارا مال لوٹ لیا اور عورتوں کو بھی قید کر کے ساتھ لے گئے۔ ان میں پنرو کی والدہ، بہن ”املے“ اور ایک سنہری عورت

(سوناری) بھی شامل تھی، جس سے پنرو کو خاص محبت تھی۔

جب پنرو واپس آیا اور اسے یہ الم ناک خبر ملی کہ اس کا بھائی شہید ہوگیا ہے اور اس کی ماں اور بہن دشمن کے قبضے میں ہیں، تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ فوراً دشمن کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ پہاڑی گھاٹی میں اس نے ارغونوں پر حملہ کیا اور بہادری سے انہیں شکست دی۔ کئی قیدی عورتوں کو آزاد کرایا، لیکن اس کی بہن املہ اور محبوبہ سوناری لشکر کے اگلے حصے میں تھیں، جو بچ نکلے۔

بہن املہ کی آزادی

پنرو نے اپنی بہن املہ کی تلاش جاری رکھی۔ ایک دن ایک فقیر نے اطلاع دی کہ املہ فلاں شہر میں قید ہے۔ پنرو فوراً اپنی وفادار گھوڑی ”نیلوفری“ پر اکیلا روانہ ہوا۔ دشمن کے شہر پہنچ کر اس نے اپنی بہن کو آزاد کرایا اور بخیریت واپس کاچھ آگیا۔ املہ کی رہائی بھائی اور بہن کے رشتے کی عظیم مثال ہے۔

محبوبہ سوناری کی رہائی

پنرو کا دل پھر بھی بے چین رہا، کیونکہ اس کی محبوبہ سوناری ابھی تک قید میں تھی۔ کچھ

عرصے بعد اسے خبر ملی کہ سوناری فلاں مقام پر ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گیا، سخت لڑائی کے بعد دشمن کو شکست دی اور سوناری کو بھی آزاد کرا کے واپس کاچھ لے آیا۔ یہ واقعہ اس کی شجاعت اور عشق دونوں کا شاہکار ہے، جو سندھ کی لوک کہانیوں میں ہمیشہ کے لیے امر ہوگیا۔

بڈامانی خاندان

بڈامانی خاندان کا اصل مسکن بدین، دیپلی اور مٹھی کے سرحدی علاقے تھے، جو کاچھ کا حصہ تھے۔ بعد ازاں یہ خاندان لَـد کر ”بنگار“ کے علاقے میں آباد ہوا، جہاں آج بھی ”بڈامنیوں کا قبرستان“ موجود ہے، جو اس بہادر قوم کی یادگار ہے۔

شاہ لطیف کے کلام میں پنرو

سندھ کے عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی نے بھی بڈامانی پنرو کی بہادری کو اپنے سروں میں امر کردیا ہے۔ شاہ سائیں کے اشعار میں پنرو کی للکار، جدوجہد اور قربانی واضح جھلک ڏئي ٿي:

اڄ گهرجين تون بڊاماڻي پنرا
مٿي مٿان مون، ويرين واٽون ٿاهيون

نتیجہ

بڈامانی پنرو صرف کاچھ کا سردار نہیں تھا بلکہ سندھ کی تاریخ میں آزادی، مزاحمت اور غیرت کا ایک لازوال نشان ہے۔ اس نے نہ صرف ارغونوں جیسے طاقتور دشمنوں کے خلاف تلوار اُٹھائی بلکہ اپنی ماں، بہن اور محبوبہ کو بھی قید سے آزاد کرایا۔ اس کا کردار سندھ کی لوک روایات، داستانوں اور شاہ لطیف کے کلام میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حوالہ جات:

- میر علی شیر قانع، *تحفة الکرام*
- ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، *سندھی لوک داستانیں*
- شاہ عبداللطیف بھٹائی، *شاہ جو رسالو*

ابڑو اڑبنگ: سندھو دھرتی کا ایک تاریخی کردار

گجرات اور راجستھان کے وہ علاقے جو آج بھارت کا حصہ ہیں، ہزاروں سال تک سندھ کی سرحدوں میں شامل رہے۔ سندھ کی تہذیب کے عروج کے دور سے لے کر حالیہ تاریخ تک، کَچھ، بھُج، کاٹھیاواڑ، گجرات اور راجستھان سندھ سے سیاسی، سماجی اور ثقافتی طور پر جُڑے رہے۔ آج بھی ان علاقوں میں سندھ کی زبان اور ثقافت اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ زندہ ہے۔

ان علاقوں میں آج بھی بڑی تعداد میں سندھی برادریاں آباد ہیں، جو سرحد کے دونوں طرف موجود ہیں اور رشتے داری، مٹی اور محبت کے بندھن میں بندھی ہوئی ہِیں۔ تھر ڈویژن کے لوگوں کے رشتے آج بھی کَچھ اور گجرات والوں سے قائم ہیں۔ ان علاقوں کو آج بھی قدیم سندھ کا حصہ سمجھا جاتا ہے، اور وہاں کی زبان ’کَچھکی‘، سندھی زبان کا ایک لہجہ قرار دی جاتی ہے۔

کَچھ کا راج خاندان ’جاڑِیجن‘ نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان کا بانی ’جاڑو ولد لاخو ننگر‘ تھا، جو ٹھٹھہ کا رہائشی اور ذات کا سمو تھا۔ سندھ

اور کَچھ ہر دور میں ایک دوسرے کے سچے ساتھی رہے۔ جب بھی سندھ پر مشکل وقت آیا، کَچھ کے لوگوں نے اس کا ساتھ دیا۔ اور جب کَچھ پر کوئی مصیبت آئی، سندھ کے لوگوں نے اسے اپنا درد سمجھا۔

آج ہم اسی کَچھ کے ایک بہادر، بے خوف اور غیرت مند کردار ’ابڑو اڑِبنگ‘ کی بات کریں گے، جس نے سندھ پر حملہ آور دشمنوں کے خلاف اس دھرتی کا ساتھ دیا، سندھ کی ماؤں اور بہنوں کو پناہ دی، اور ان کی عزت پر آنچ نہ آنے دی۔

شاہ لطیف نے اس عظیم کردار کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:

"ابڑو سوَرو، وڈوَرو، سمو سونھن سندن"

دودو اور چنیسر کا تنازعہ

روایات کے مطابق دودو اور چنیسر، سومرا حکمران ’بھونگر‘ کے بیٹے تھے۔ دودو اپنی دادی کی پوتی سے اور چنیسر لوہارَن بیوی سے تھا۔ بھونگر کی وفات کے بعد تخت نشینی پر اختلاف ہوا، جس کا فیصلہ بھونگر کی بڑی بیٹی ’باگھی بائی‘ پر چھوڑا گیا۔ اس نے تخت چنیسر کو سونپنے کا فیصلہ کیا، لیکن چنیسر بغیر تاج پہنے دربار سے نکل گیا، جو راج دھرم کے خلاف سمجھا گیا۔ امیروں نے اسے کمزور جان کر دودو کو تخت پر بٹھا دیا۔

چنیسر ناراض ہو کر دہلی کی دربار میں فریاد لے گیا، اور علاؤالدین خلجی کو اپنی بہن باگھی بائی کے رشتے کا لالچ دے کر سندھ پر حملے کے لیے آمادہ کیا۔

ننگر کا تاریخی انکار

جب دودو سومرو کو حملے کی خبر ملی، تو اس نے چنیسر کے بیٹے 'ننگر' کو سفیر بنا کر دشمنوں کے پاس بھیجا۔ ننگر نے قومی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے باگھی بائی کا رشتہ دینے سے انکار کیا اور دشمنوں کو للکار کر جنگ کا آغاز کیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو گیا، لیکن سندھ کی عزت پر سمجھوتہ نہ کیا۔

بھاگو بھان کا غیرت بھرا شعر

جب دربار میں تجویز آئی کہ کسی باندی کو علاؤالدین کو دے کر خطرہ ٹالا جائے، تو بھاگو بھان نے یہ شعر کہا:

"جر نہ کُٹی کنگریں، راہُ نُ گنڈجن ویٹ،
جی گولی ویندی گجرین، تہ بہ سڈبی دودو پیٹ"

یعنی اگر گجرات کی لڑکیاں بھی قربان ہوں، تب بھی انہیں دودو کی بہن کہا جائے گا۔

ابڑو اڑبنگ – سندھ کا سچا ساتھی

ابڑو اڑبنگ کَچھ کے سمو سرداروں میں سے تھا، جو سندھ سے وابستہ تھا۔ وہ 'وڈ سر' علاقے کا

والی، پہلوان اور سورما تھا۔ وہ دودو سومرو کا ہم عصر تھا، اور اس کا دور 13ویں صدی کے آخر اور 14ویں صدی کے آغاز کا ہو سکتا ہے۔

جب دودو سومرو نے سلطانی لشکر کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا، تو اس نے اپنی بہن باگھی بائی سمیت شاہی خاندان کی عورتوں کو ابڑو کے پاس کَچھ بھیج دیا۔ ابڑو نے ان ساموں (عزت دار عورتوں) کو پناہ دی اور ان کی حفاظت کے لیے میدانِ جنگ میں آیا۔

ابڑو کی قربانی اور ساموں کی عزت

ابڑو نے اپنے بیٹوں کے ساتھ ایک چھوٹا لشکر لے کر دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ جب وہ جنگ میں شہید ہوا، تو ساموں کو دشمنوں کے ہاتھ نہ لگنے دیا۔ جب خلجی لشکر ان کی طرف بڑھا، تو سومرا عورتوں نے خود کو زندہ جلا کر اپنی عزت بچائی۔

جس جگہ یہ قربانی دی گئی، وہاں بعد میں ’ستین کا آستان‘ قائم ہوا۔ سندھ کے لوگ آج بھی وہاں محبت اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں، اور ان کی یاد میں میلے منعقد کرتے ہیں۔

اختتامی نوٹ

ابڑو اڑبنگ کا کردار سندھ کی تاریخ میں غیرت، وفاداری اور قربانی کی روشن مثال ہے۔ اس کی بہادری اور ساموں کی عزت کی حفاظت آج بھی

سندھ کے اجتماعی شعور کا حصہ ہے۔ یہ داستان ہمیں یاد دلاتی ہے کہ جب دھرتی پر خطرہ ہو، تو مٹی کے بیٹے سر دے کر بھی اس کی عزت بچاتے ہیں۔

تارا بائی: سندھ کی بیٹی، تخت کی محافظ

جب دریائے سندھ کی لہریں چاندنی میں چمکتی تھیں، اور سومرا قلعے کی دیواریں وقت کے رازوں کو چھپائے بیٹھی تھیں — تب ایک بیٹی نے تاریخ کا رخ موڑا۔

دودو سومرو کی وفات کے بعد، قلعے میں خاموشی تھی۔ سنگھار ابھی بچہ تھا، اور تخت خالی۔ درباریوں کی نظریں ایک دوسرے سے سوال کرتی تھیں: "اب کون؟"

تب تارا بائی آگے بڑھی۔ نہ تلوار اٹھائی، نہ نعرہ لگایا — صرف وقار، عقل اور اعتماد کے ساتھ۔ اس نے تخت پر قدم رکھا، اور سندھ نے پہلی بار دیکھا کہ قیادت صرف مردوں کی میراث نہیں۔

ایک عورت، ایک ریاست

تارا بائی نے فیصلے کیے جیسے کوئی ماں اپنے بچوں کے لیے کرتی ہے — نرمی سے، مگر مضبوطی سے۔ اس نے امن قائم کیا، بغاوتوں کو دبایا، اور وہ سب کچھ کیا جو ایک بادشاہ کرتا ہے — مگر وہ بادشاہنی نہیں، "بادشاہی" تھی۔

اس کے دربار میں وزیروں نے سر جھکایا، سرداروں نے وفاداری نبھائی، اور عوام نے سکون پایا۔ وہ نہ صرف حکمران تھی، بلکہ سندھ کی روح تھی — نرم، مگر ناقابلِ شکست۔

اقتدار سے رخصت

جب سنگھار جوان ہوا، تارا بائی نے تخت چھوڑ دیا — بغیر جنگ، بغیر ضد۔ جیسے کوئی شمع اگلی شمع کو روشنی دے کر خود خاموش ہو جائے۔ یہ اس کی عظمت تھی: اقتدار کو خدمت سمجھنا، ملک کو اولاد کی طرح پالنا۔

تاریخ کی خاموش آواز

کتابوں میں اس کا نام کبھی "زینب" لکھا گیا، کبھی "تارا" — مگر اصل پہچان اس کی روشنی ہے، جو آج بھی سندھ کے آسمان پر جگمگاتی ہے۔ رضیہ سلطانہ سے پہلے، برصغیر کی پہلی خاتون حکمران — مگر افسوس، تاریخ نے اسے وہ مقام نہ دیا جو وہ حق رکھتی تھی۔

آج کی تارا بائی

تارا بائی صرف ماضی کی کہانی نہیں، وہ آج کی عورت کی علامت ہے — جو قیادت کر سکتی ہے، قربانی دے سکتی ہے، اور وقت آنے پر خاموشی سے پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ وہ ہمیں سکھاتی ہے کہ اقتدار کا اصل حسن خدمت میں ہے، اور قیادت کا اصل جوہر وقار میں۔

کویل: دودو سومرو کی بیٹی، وطن کے لیے قربانی اور فخر کی علامت

سومروں کا دور اور سندھ کی آزادی
سندھ میں سومروں کا دور (1011ء – 1351ء) تاریخ کا ایک سنہری باب ہے، جس میں وطن آزادی، بہادری اور سیاسی بصیرت کے ساتھ روشن نظر آتا ہے۔ عربوں کی تین صدیوں پر محیط غیر ملکی حکمرانی کے بعد، سندھ کو سومروں کی صورت میں اپنا مقامی اقتدار حاصل ہوا۔ اس خاندان نے نہ صرف 340 برس تک حکمرانی کی بلکہ سندھ کے سماج، ادب، زبان اور ثقافت پر بھی گہرے اثرات چھوڑے۔ اس دور میں سندھ کے ساحلی شہر اور بندرگاہیں، مثلاً **لاہری بندر**، بین الاقوامی تجارت کے بڑے مراکز تھے اور ملک خوشحال و پرسکون تھا۔

سومروں کی حکمرانی میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان عورتوں نے اپنی دانش اور بہادری سے ایسے نقوش چھوڑے، جو آج بھی سندھ کے لیے باعثِ فخر ہیں۔ انہی میں سے ایک نام ہے **کویل**، جو دودو سومرو کی بیٹی اور ننگر سومرو کی منگیتر تھی۔

کویل کون تھی؟
تاریخی حوالوں کے مطابق کویل دودو سومرو کی بیٹی تھی، جس کا منگنی بچپن ہی میں چنیسر کے بیٹے ننگر سے ہوگیا تھا۔ بعض مؤرخین نے اس کے نام **صفیہ، سونل یا دادلی** بھی لکھے ہیں، لیکن زیادہ تر محققین اسے **کویل** کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سندھ میں پیار اور محبت سے کئی نام رکھنے کی روایت قدیم ہے، مگر "کویل" اس کی اصل پہچان بن گئی۔

کویل کی زندگی کا ذکر زیادہ تر اُس وقت سامنے آتا ہے، جب دودو اور چنیسر کے درمیان اقتدار کا جھگڑا ہوا۔ دودو نے چنیسر کو واپس پرچانے کے لیے اپنی بیٹی کے رشتے کی یاد دلائی، لیکن چنیسر نے غیر ملکی لشکر کا ساتھ دے کر وطن سے غداری کی۔ اس کے برعکس، اس کا بیٹا ننگر سومرو وطن کے دفاع کے لیے ڈٹ گیا اور شہید ہوگیا۔

ننگر سومرو اور کویل کا فخر
ننگر سومرو غیرت اور بہادری کی علامت تھا۔ اُس نے دشمن کے مقابلے میں وطن کی عزت کے لیے اپنی جان قربان کرنے میں کوئی تامل نہ کیا۔ جب ننگر شہید ہوا اور اس کی لاش گھر لائی گئی تو کویل نے بین اور ماتم نہیں کیا بلکہ سر اُونچا کرکے فخر سے کہا کہ جو لوگ وطن کے لیے جان قربان کرتے ہیں، وہ کبھی نہیں مرتے بلکہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

کویل نے اپنے شہید شوہر کے جسد خاکی پر چکر لگا کر اسے الوداع کیا۔ یہ رسم محض غم یا رونے کا اظہار نہ تھی، بلکہ وطن سے عشق، غیرت اور بہادری کی علامت تھی۔

کویل کا تاریخی کردار

سندھ کی تاریخ میں کویل ایک ایسی بہادر خاتون کے طور پر یاد کی جاتی ہے، جس نے اپنے ذاتی دکھ کو پسِ پشت ڈال کر وطن کی عظمت کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ وہ اُن خواتین میں شمار ہوتی ہے جنہوں نے سندھی عورت کو جدوجہد اور غیرت کی علامت بنایا۔ تارا بائی، ہمون بائی، باگھل بائی، ساران اور مالہا کی طرح کویل بھی سندھ کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

نتیجہ

دودو سومرو کی بیٹی کویل کا کردار سندھی عورت کی تاریخی عظمت اور غیرت کا عکس ہے۔ اُس نے اپنے شہید شوہر ننگر سومرو کی قربانی کو ماتم کے بجائے فخر کے ساتھ قبول کیا اور یہ پیغام دیا کہ **جو قربانی وطن کے لیے دی جاتی ہے، وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔**

ابوالفضل: مغل دربار کا فکری گوہر اور سندھ کے علمی ورثے سے اس کا تعلق

تعارف

ابوالفضل ابن مبارک، مغل بادشاہ اکبر اعظم کے دربار کا ایک ممتاز علمی اور ادبی رکن تھا۔ اس نے نہ صرف مغل سلطنت کے فکری ڈھانچے کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا بلکہ اس کی

علمی جڑیں سندھ کے فکری ورثے سے بھی گہری وابستگی رکھتی تھیں۔ وہ 6 محرم 958 ہجری / 14 جنوری 1515ء کو سندھ کے شہر سیہون میں پیدا ہوا، جو اس وقت علم و روحانیت کا مرکز تھا (Shaikh, 2010)۔

ابتدائی تعلیم اور فکری تربیت

ابوالفضل نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ مبارک سے حاصل کی، جو خود ایک جید عالم اور مفکر تھے۔ اس نے فارسی نثر، فلسفے اور مضمون نویسی میں غیر معمولی مہارت حاصل کی۔ اس کی فکری تربیت سندھ کے روحانی اور ادبی ماحول میں ہوئی، جہاں تصوف، علم اور فکر کی مضبوط روایت موجود تھی (Abbasi, 1992)۔

اکبر کے دربار سے وابستگی

981 ہجری / 1573ء میں ابوالفضل اکبر کے شاہی دربار سے وابستہ ہوا۔ اپنی تحریری صلاحیت، فکری وضاحت اور اخلاص کی بنا پر وہ بادشاہ کا خاص مشیر مقرر ہوا۔ اکبر کے فکری منصوبۂ 'دینِ الٰہی' کی تشکیل میں ابوالفضل نے بنیادی کردار ادا کیا، جہاں اس نے سماجی، اقتصادی اور اخلاقی قوانین کی تشریح کی (Chachnama, trans. Daudpota, 1939)۔

سیاسی اور فکری اثرات

ابوالفضل کی فکر نے مغل سلطنت کے انتظامی ڈھانچے، مذہبی رواداری اور علمی ترقی پر گہرا

اثر ڈالا۔ اس کی تحریروں میں نہ صرف سلطنت کی تاریخی تصویر کشی موجود ہے بلکہ فلسفیانہ تجزیہ بھی شامل ہے، جو اس دور کی فکری ارتقاء کو ظاہر کرتا ہے (Ansari, 1985)۔ اس کی فکر سندھ کی علمی روایتوں سے ہم آہنگ تھی، جہاں علم، رواداری اور غور و فکر کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

قتل اور علمی ورثہ

ابوالفضل کو 1011 ہجری / 1602ء میں شہزادہ سلیم (بعد میں جہانگیر) کے حکم پر بندیلہ رئیس کے ہاتھوں انتری کے مقام پر قتل کر دیا گیا، جو گوالیار سے پانچ کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا بے سر جسم آگرے میں دفن کیا گیا۔ اس کے باوجود، اس کا علمی ورثہ زندہ رہا۔ اس کی مشہور تصانیف میں تین جلدوں پر مشتمل *اکبر نامہ*، *آئینِ اکبری*، *انشاء ابوالفضل* (تین مجموعے)، اور *عیار دانش* شامل ہیں، جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ فارسی نثر میں آج بھی ابوالفضل کو سراہا جاتا ہے (Memon, 2001)۔

نتیجہ

ابوالفضل کی شخصیت سندھ کی علمی اور فکری تاریخ سے گہری جڑی ہوئی ہے۔ اس کی فلسفیانہ بصیرت، ادبی چمک اور سیاسی فہم نے نہ صرف مغل سلطنت کے فکری ڈھانچے کو تشکیل دیا بلکہ سندھ کے علمی ورثے کو عالمی سطح پر اجاگر کیا۔ وہ اکبر کے دربار کا ایک ایسا

روشن گوہر تھا، جس کی روشنی آج بھی علم کے افق پر چمک رہی ہے۔

References

- Abbasi, M. A. (1992). *Sindh: A Cultural History*. کراچی: سندھ ہسٹوریکل سوسائٹی۔
- Ansari, G. H. (1985). *Political Transitions in Early Sindh*. حیدرآباد: سندھ اکیڈمی۔
- Chachnama (ترجمہ: دائود پوٹا، ایم۔ ایچ۔). (1939). *چچ نامہ: سندھ کی قدیم تاریخ*. دہلی: رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔
- Memon, N. A. (2001). *Urban Centers of Ancient Sindh*. جامشورو: یونیورسٹی آف سندھ پریس۔
- Shaikh, S. (2010). *Intellectuals of the Mughal Court and Sindh's Scholarly Legacy*. لاہور: ساؤتھ ایشین اسٹڈیز انسٹیٹیوٹ۔

جام بابینو: سندھ کی سیاسی مزاحمت کا علمبردار

جام بابینو، جنہیں تاریخی حوالوں میں "جام بانبھنیو" اور "جام بانھن بھیٹو" کے القابات سے یاد کیا جاتا ہے، سلطنتِ سمہ کے ایک اہم حکمران تھے۔ ان کا دورِ حکومت دہلی سلطنت کی سیاسی و عسکری مداخلت کے خلاف بھرپور مزاحمت سے عبارت ہے۔ ان کی قیادت صرف جنگی بہادری تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں حکمتِ عملی، سفارت کاری اور وطن سے بے مثال وفاداری بھی شامل تھی.

اقتدار کا آغاز

جام بابینو، جام فیروزالدین اُنڑ کے فرزند تھے، جو 1353ء میں والد کی وفات کے بعد سندھ کے تخت پر بیٹھے۔ ان کے چچا جام جوٹو بھی اقتدار میں شریک تھے، جن کے ساتھ مل کر انہوں نے سلطنتِ سمہ کو مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت دہلی سلطنت نے سیہون، بکر اور نصرپور میں نائب مقرر کیے تھے، جبکہ سمہ اثر صرف لاڑ کے علاقے تک محدود تھا.

دہلی سلطنت سے کشیدگی

دہلی کے سلطان فیروز تغلق نے جام بابینو کو ناکام بنانے اور سندھ پر قبضہ کرنے کے لیے حمیر سومرو کی حمایت کی۔ اس نے گجرات اور ملتان کے نائبین کو حمیر سومرو کی مدد کرنے کا حکم دیا تاکہ سمہ اقتدار کو ختم کیا جا سکے۔ جام بابینو ایک وطن پرست اور بہادر حکمران تھے، جو کسی بھی صورت میں غیر ملکی مداخلت برداشت کرنے کو تیار نہ تھے.

فوجی مہمات اور مزاحمت

1359ء میں، جب فیروز تغلق بنگال کی مہم میں ناکام ہوا اور چھ ماہ تک ناگپور کے جنگلات میں بھٹکتا رہا، جام بابینو نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فوجیں ملتان کی حدود تک پہنچائیں۔ انہوں نے سیہون میں چھوٹے حملے کر کے عوام میں بغاوت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران دہلی سلطنت کے نمائندے عین الملک ماہرو نے جاموں کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کی سازش کی اور حمیر سومرو کو دوبارہ اقتدار دلانے کے لیے مہم تیز کی۔ 1364ء میں عمرکوٹ کے قریب جام بابینو اور حمیر سومرو کے درمیان جنگ ہوئی، جس میں بعض روایات کے مطابق حمیر سومرو قتل ہو گیا، جبکہ دیگر روایات کے مطابق وہ کچھ کی طرف فرار ہو گیا ۔

بحری جنگ اور سندھ کی فتح

صفر 767ھ/اکتوبر 1365ء میں، فیروز تغلق نے 80 ہزار فوج اور 500 بحری جہازوں کے ساتھ سندھ پر حملہ کیا۔ سندھی فوج نے زبردست مزاحمت کی، دہلی کے بحری لشکر کو تباہ کر دیا، اور سلطان کو گجرات کی طرف پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ پسپائی کے دوران کَچھ کے لوگوں نے بھی غیر ملکی فوج پر حملے کیے اور بھاری نقصان پہنچایا.

سفارت کاری اور سیاسی معاہدہ

770ھ/1368ء میں ایک اور حملہ ہوا، جس میں سندھی فوج کو نقصان پہنچا، لیکن وہ فتح حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ دہلی سلطنت نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے سمہ مرشد مخدوم جہانیان جہان گشت کو ثالث بنایا۔ دونوں فریقوں کے درمیان معاہدہ طے پایا: جام بابینو اور جام جوٹو دہلی میں رہیں گے، جبکہ ان کے وارث سندھ پر حکمرانی کریں گے۔ سندھی دہلی سلطنت کو سالانہ خراج ادا کریں گے، لیکن سلطنتِ سمہ کی برتری برقرار رہے گی.

وراثت اور نتیجہ

جام بابینو نے 15 سال تک سندھ پر حکومت کی۔ دہلی سلطنت سے معاہدے کے باوجود، ان کا دورِ حکومت سندھ کی سیاسی خودمختاری، مزاحمت اور حکمتِ عملی کی علامت رہا۔ سلطنتِ سمہ کی ثقافتی اور سیاسی برتری قائم رہی، جو سندھ کی تاریخ میں ایک اہم باب کے طور پر محفوظ ہے۔.

بچو بادشاہ: پہلی حُر تحریک کا ہیرو

خلاصہ

یہ مقالہ بچو بادشاہ کے تاریخی کردار پر روشنی ڈالتا ہے جو سندھ میں پہلی حُر تحریک (1870ء–1898ء) کا ایک مرکزی ہیرو تھا۔ اصل نام بچل خاصخیلی تھا اور وہ ضلع سانگھڑ کے گاؤں منڑائو میں پیدا ہوا۔ اس نے انگریزوں کی عملداری کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور مقامی لوگوں کو نوآبادیاتی ٹیکس نہ دینے کی ترغیب دی۔ اپنے ساتھی پیرو قصائی عرف پیرو وزیر کے ساتھ مل کر اس نے انگریزوں کے خلاف نمایاں کارروائیاں کیں۔ 1896ء میں گرفتار ہو کر پھانسی کی سزا پانے کے باوجود اس کی قربانی سندھ کی تحریکِ آزادی کی علامت بنی رہی۔ آج سانگھڑ میں "بچو بادشاہ چوک" اس جدوجہد کی یادگار ہے۔

تعارف

سندھ میں حُر تحریک برطانوی سامراج کے خلاف ایک منظم عوامی جدوجہد تھی۔ یہ تحریک صوفی روایت اور قومی آزادی کے جذبے سے جُڑی ہوئی تھی۔ اس کے پہلے مرحلے (1870ء–1898ء) میں کئی رہنما سامنے آئے جن میں بچو بادشاہ کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اسے اُس وقت کا بہادر اور مزاحمتی رہنما تسلیم کیا جاتا ہے۔

پیدائش اور ابتدائی حالات

بچو بادشاہ کا اصل نام بچل خاصخیلی تھا۔ وہ وریام فقیر خاصخیلی کے گھر منڑائو گاؤں (موجودہ ضلع سانگھڑ) میں پیدا ہوا۔ اس کا خاندان حُر تحریک سے وابستہ تھا جس نے اسے بچپن ہی سے آزادی اور مزاحمت کے جذبے سے سرشار کیا۔

حُر تحریک میں کردار

بچو بادشاہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکھی کے جنگلات کے اطراف انگریزوں کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور یہ علاقہ انگریزوں کے لیے عملاً ’’نو گو ایریا‘‘ بن گیا۔ اس نے اپنے ساتھی پیرو قصائی (پیرو وزیر) کے ساتھ انگریزوں پر کئی کامیاب حملے کیے اور مقامی لوگوں کو ہدایت دی کہ وہ انگریزوں کو ٹیکس اور محصول ادا نہ کریں۔

انگریزوں کا ردِعمل

انگریز حکومت بچو بادشاہ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے سخت پریشان ہوئی۔ انہوں نے پیر حزب اللہ شاہ کوٹ ڈٹي پر دباؤ ڈالا کہ وہ باغیوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کریں۔ بچو کے والد وریام

کو گرفتار کیا گیا، جو دورانِ قید سخت اذیتوں کے باعث جاں بحق ہوگئے۔

گرفتاری اور پھانسی

1896ء میں مرشد کے حکم پر بچو بادشاہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ اسے عیسیٰ دہاری کے ساتھ میرپورخاص منتقل کیا گیا، جہاں برطانوی عدالت نے اسے پھانسی کی سزا سنائی۔ ایک ماہ بعد اسے سانگھڑ میں سرِعام پھانسی دے دی گئی۔ مورخین کے مطابق اس سرعام سزا کا مقصد دیگر باغیوں کو ڈرانا اور تحریک کو دبانا تھا۔ بعد ازاں اس کی تدفین پھانسی گاہ کے قریب ہی کی گئی۔

ورثہ اور یادگار

بچو بادشاہ کی قربانی سندھ کی آزادی کی تحریک میں امر ہو گئی۔ آج سانگھڑ شہر میں موجود ’’بچو بادشاہ چوک‘‘ اس کی بہادری اور مزاحمتی جدوجہد کی علامت ہے۔

نتیجہ

بچو بادشاہ سندھ کی تاریخ کا ایک عظیم کردار ہے جس نے آزادی کی جدوجہد کے لیے اپنی جان قربان کی۔ اس کی بہادری اور ثابت قدمی نے

صرف حُر تحریک کو طاقت بخشی بلکہ سندھ کے
عوام میں قومی شعور کو بھی بیدار کیا۔

References

- Kaimkhani, M. (1997). *History of Hur Movement in Sindh*. Karachi: Sindhica Academy.
- Talpur, M. A. (2002). *Freedom Fighters of Sindh*. Hyderabad: Sindh Adabi Board.
- Ansari, S. (2011). *Sindh under the British Raj*. London: Routledge.
- Junejo, A. (2015). *Hur Resistance and British Policies in Sindh*. Jamshoro: University of Sindh Press.

باگو فقیر: کلہوڑوں کے دور کا بہادر سپاہی

خلاصہ

یہ مقالہ کلہوڑا دور کی ایک بہادر اور محبِ وطن شخصیت، باگو فقیر، کے سیاسی اور عسکری کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان کے والد مرزو فقیر اپنی شجاعت کے باعث ’’سلطانِ جنگ‘‘ کے لقب سے نوازے گئے تھے اور پہلے ہی بہادری کی ایک روایت قائم کرچکے تھے۔ میاں صادق علی خان کلہوڑا کے دورِ حکومت میں، جب میاں عبدالنبی اور اس کے اتحادی سندھ پر قبضے کی سازشیں کررہے تھے، تو باگو فقیر اور ان کے والد نے سندھ کے دفاع میں اہم کردار ادا کیا۔ خاص طور پر ہالانی کی جنگ (1196ھ/1781ء) اور تیمور شاہ کی فوج کے خلاف مزاحمت میں باگو فقیر نے غیر معمولی جرات اور حکمتِ عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو شکست دی۔ یہ مقالہ اس

تاریخی کردار کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے اور سندھ کی مزاحمتی تاریخ کے تسلسل کو نمایاں کرتا ہے۔

تمہید

سندھ کی تاریخ بہادر شخصیات سے بھری ہوئی ہے، جنہوں نے بیرونی حملہ آوروں اور اندرونی سازشوں کے باوجود اپنی سرزمین کے دفاع کے لیے جدوجہد کی۔ کلہوڑوں کے دور میں سیاسی رقابتوں اور بیرونی طاقتوں کے ساتھ تعلقات نے حالات کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ ایسے پس منظر میں باگو فقیر ایک نمایاں شخصیت کے طور پر سامنے آئے، جنہوں نے اپنے والد مرزو فقیر کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے سندھ کی آزادی اور بقا کے لیے جدوجہد کی۔

مرزو فقیر: ایک پیش رو ہیرو

مرزو فقیر، جو باگو فقیر کے والد تھے، کلہوڑا فوجی ڈھانچے میں ایک بہادر سپہ سالار کے طور پر مشہور تھے۔ ان کی جرات کے باعث انہیں ’’سلطانِ جنگ‘‘ کا خطاب دیا گیا۔ جب میاں عبدالنبی نے سندھ کے تخت پر قبضے کے لیے قلات کے خان اور جودھپور کے راجے سے مدد لی، تو مرزو فقیر اور باگو فقیر نے مقامی لشکر کو جمع کرکے دشمن کا مقابلہ کیا۔

باگو فقیر کا عسکری کردار

ہالانی کی جنگ (1196ھ/1781ء)

اس فیصلہ کن جنگ میں باگو فقیر نے شاندار بہادری کا مظاہرہ کیا۔ ان کی قیادت اور جرات کے نتیجے میں راجپوت افواج پسپا ہوگئیں اور سندھ کو ایک اہم دفاعی کامیابی حاصل ہوئی۔

تیمور شاہ کی فوج کے خلاف مزاحمت

جب میاں عبدالنبی نے دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے لیے تیمور شاہ کی فوج کو بلایا تو باگو فقیر سندھ کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اس لشکر کو بھی شکست دی اور اپنی شہرت کو ایک بے خوف سپاہی اور محبِ وطن کے طور پر مزید مستحکم کیا۔

نتیجہ

باگو فقیر کلہوڑا دور کے ایک ایسے بہادر سپاہی تھے جنہوں نے اندرونی سازشوں اور بیرونی جارحیت کے باوجود سندھ کے دفاع کے لیے جدوجہد کی۔ ان کا کردار نہ صرف اس دور کے سیاسی حالات کو سمجھنے کے لیے اہم ہے بلکہ سندھ کی مزاحمتی تاریخ کے ایک تسلسل کا حصہ بھی ہے۔ ایسی شخصیات سندھ کی تاریخ کو عزم، جرات اور آزادی کے جذبے سے سرشار کرتی ہیں۔

References

- Ansari, M. (1992). *History of Kalhora Dynasty*. Karachi: Sindh University Press.
- Shaikh, A. (2005). *Sindh ji Azadi Ja Surma*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Qureshi, I. H. (1984). *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent*. New Delhi: Renaissance Publishing.
- Abbasi, S. M. (2010). *Resistance Movements in Sindh*. Jamshoro: University of Sindh Press.

فیروز فقیر ویرڑ: سندھ کی آزادی کی جدوجہد کا بہادر رہنما

خلاصہ

یہ مقالہ سندھ کی مغل مخالف مزاحمت میں فیروز فقیر ویرڑ کے تاریخی کردار کو اجاگر کرتا ہے۔ میاں نصیر محمد کی گرفتاری کے بعد بھی فیروز فقیر نے آزادی کی جدوجہد جاری رکھی اور بکر کے مغل گورنر کو شکست دی۔ انہوں نے ساہتی پرگنے کو آزاد کرایا اور وہاں ایک نیا شہر قائم کیا، جسے آج "نو شهرو فیروز" کہا جاتا ہے۔ میاں دین محمد کے دور میں، سندھ کے اندرونی اختلافات کے باوجود، فیروز فقیر نے مغل افواج کے نامور سرداروں کو شکست دی اور سندھ کی خودمختاری کو محفوظ رکھا۔ ان کی بہادری اور قیادت سندھ کی قومی مزاحمتی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ ہمیشہ آزادی اور بیرونی تسلط کے خلاف مزاحمت کی جدوجہد سے بھری رہی ہے۔ میاں نصیر محمد کی گرفتاری کے بعد سندھ کے فقیروں نے آزادی کی تحریک کو آگے بڑھایا۔ ان میں فیروز فقیر ویرڑ ایک نمایاں رہنما کے طور پر سامنے آئے جن کی بہادری اور حکمتِ عملی نے مغل اقتدار کے لیے سنجیدہ چیلنج پیدا کیے (قانی، 1957)۔

بکر کی جنگ اور ابتدائی فتوحات

میاں نصیر محمد کی قید کے بعد، فیروز فقیر نے تحریک کی قیادت سنبھالی۔ ایک فیصلہ کن جنگ میں انہوں نے بکر کے مغل گورنر میر یعقوب کو عبرتناک شکست دی۔ اس کے بعد فقیر چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں مغل حامیوں کو شکست دیتے رہے اور ان کی طاقت کو مسلسل کمزور کرتے گئے۔

ساہتی کی آزادی اور نو شہرو فیروز کی بنیاد

فیروز فقیر اور فرید فقیر کی مشترکہ کوششوں سے ساہتی پرگنے کو مکمل طور پر مغل تسلط سے آزاد کرا لیا گیا۔ اسی علاقے میں فیروز فقیر نے ایک نیا شہر آباد کیا، جو بعد میں "نو شہرو فیروز" کے نام سے مشہور ہوا (شیخ، 2003)۔

مغل مہمات اور مزاحمت

میاں دین محمد کے دورِ حکومت میں، اگرچہ سندھ کے اندر نااتفاقی بڑھ گئی تھی، مگر فیروز فقیر نے میرزا پنی کے حملوں کو ناکام بنایا۔ ان کی افواج نے مغل لشکر کو سخت نقصان پہنچایا۔ اس صورتحال پر مغل دربار نے نامور سپہ سالار

امیر شیخ جہان کو فقیر تحریک کو ختم کرنے کے لیے مقرر کیا۔

فقیروں نے، فیروز فقیر کی قیادت میں، ڈیری کے قلعے سے نکل کر مغل لشکر پر گوریلا طرز کا حملہ کیا جس سے دشمن کی صفوں میں افراتفری پھیل گئی۔ میاں دین محمد کی جانب سے مزید کمک آنے پر، فقیروں نے فیصلہ کن حملہ کیا جس میں مغل سردار مارا گیا اور بکر کا گورنر جان بچا کر بھاگ گیا (برٹن، 1877)۔

نتیجہ

فیروز فقیر ویرڑ سندھ کی آزادی کی تحریک کے ایک شاندار رہنما تھے۔ انہوں نے بکر کے مغل گورنر کو شکست دی، ساہتی پرگنے کو آزاد کرایا اور نو شہرو فیروز کی بنیاد رکھی۔ ان کی قیادت نے مغل افواج کو کئی بار شکست دی اور سندھ کی قومی مزاحمتی جدوجہد کو زندہ رکھا۔ فیروز فقیر ویرڑ سندھ کی آزادی کی تاریخ میں ایک روشن علامت ہیں۔

References

- Burton, R. (1877). *Sindh, and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: W. H. Allen & Co.
- Qani, M. (1957). *Tuhfat-ul-Kiram* (Vol. 2). Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Shaikh, A. (2003). *History of Kalhoras in Sindh*. Hyderabad: Sindh University Press.

میاں دین محمد کلہوڑو: سندھ کی قومی جدوجہد کا ایک نمایاں رہنما

خلاصہ

یہ مقالہ میاں دین محمد کلہوڑو کے سیاسی و روحانی کردار کا جائزہ لیتا ہے، جنہوں نے اپنے والد میاں نصیر محمد کی فکری اور فقیری تحریک کو آگے بڑھایا۔ ان کے دور میں مغلوں کے ساتھ سخت معرکے، مقامی بغاوتیں اور اہم جنگیں ہوئیں، خصوصاً 1799ء کی فیصلہ کن جنگ جس میں کلہوڑوں نے مغلیہ لشکر کو شکست دی۔ ان کی قیادت، ثابت قدمی اور بالآخر ملتان میں

شہادت سندھ کی خودمختاری کی جدوجہد میں ان کے اہم کردار کو اجاگر کرتی ہے۔

تمہید

کلہوڑا خاندان سندھ کی مزاحمتی تاریخ اور قومی تحریک میں بنیادی مقام رکھتا ہے۔ میاں دین محمد کلہوڑو (1792–1799) نے اپنے والد میاں نصیر محمد کے بعد نہ صرف فقیری سلسلے کو زندہ رکھا بلکہ مغلیہ تسلط کے خلاف کلہوڑا تحریک کے سیاسی و عسکری پہلو کو بھی مزید آگے بڑھایا (Shaikh, 2003)۔

قیادت اور ابتدائی حالات

1792ء میں میاں دین محمد نے فقیری مسند سنبھالی۔ ان کے اقتدار کے آغاز میں ہی وہ مقامی زمیندار، جو پہلے دب چکے تھے، دوبارہ بغاوت کے لیے تیار ہوگئے۔ میر پنہور نے دہلی دربار سے مدد حاصل کی، لیکن مرزا پنی اور دیگر مغلیہ جرنیل فقیر جماعت کو شکست دینے میں ناکام رہے (Qani, 1957)۔

مغلوں سے ٹکراؤ

مغل دربار نے امیر شیخ جہان کو فقیر جماعت کو کچلنے پر مامور کیا۔ کلہوڑا فقیروں نے ڈیری قلعے سے نکل کر گیریلی کے قریب رات کے وقت اچانک حملہ کیا جس سے مغل لشکر بوکھلاہٹ کا شکار ہوگیا۔ گھاڑی سے میاں دین محمد کی بھیجی گئی کمک نے فقیروں کے ساتھ مل کر فیصلہ کن حملہ کیا، جس میں امیر شیخ جہان مارا گیا اور بکر کا حاکم جان بچا کر بھاگ گیا (Burton, 1877)۔

شہزادہ معزالدین کی مداخلت

امیر شیخ جہان کی ہلاکت اور مغل افواج کی پسپائی پر شہزادہ معزالدین (اورنگزیب کا پوتا، لاہور و ملتان کا گورنر) سندھ آیا۔ میاں دین محمد کے نمائندوں نے سفارت کاری کے ذریعے اسے واپس جانے پر راضی کرلیا۔ تاہم، کچھ عرصے بعد کلہوڑا سپہ سالار شاہ بہارا کے بھائی مقصود فقیر نے از خود مغلیہ علاقوں پر حملہ کردیا، جس سے شہزادہ برہم ہوکر دوبارہ سندھ آیا اور چھ ماہ تک سیہون میں قیام کیا (Shaikh, 2003)۔

1799ء کی جنگ

مغل فوج کی لوٹ مار کے دوران میاں دین محمد کے بھائی میاں یار محمد نے قیادت سنبھالی اور مزاحمت کا اعلان کیا۔ نئی گاج کے کنارے 1799ء میں سخت جنگ لڑی گئی۔ کلہوڑا فقیروں—تاجی

فقیر، جادی فقیر اور بختیار فقیر—نے شاندار بہادری دکھائی، اور مغل جرنیل راجا گج سنگھ بھٹی اور سورج مل ادے پور مارے گئے۔ اس جنگ میں مغل فوج کو زبردست شکست ہوئی (Qani, 1957)۔

میاں دین محمد کی شہادت

اگرچہ کلہوڑا لشکر نے میدان جنگ میں کامیابی حاصل کی، لیکن شہزادہ معزالدین نے دوبارہ اقتدار قائم کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر میاں دین محمد کو ملتان لے جایا گیا، جہاں 1799ء میں انہیں شہید کردیا گیا (Burton, 1877)۔ یہ شہادت کلہوڑا تحریک کی جدوجہد اور قربانیوں کی عظیم علامت تھی۔

نتیجہ

میاں دین محمد کلہوڑو نے سندھ کی قومی تحریک کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ اسے عسکری کامیابیوں کے ذریعے ایک نیا رخ دیا۔ ان کی قیادت، فقیر جماعت کی شجاعت اور ان کی شہادت سندھ کی تاریخ میں آزادی اور خودمختاری کی جستجو کی ایک لازوال مثال ہے۔

References

- Burton, R. (1877). *Sindh, and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: W. H. Allen & Co.
- Qani, M. (1957). *Tuhfat-ul-Kiram* (Vol. 2). Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Shaikh, A. (2003). *History of Kalhoras in Sindh*. Hyderabad: Sindh University Press.

میاں نصیر محمد کلہوڑو: سندھ کی قومی جدوجہد کے ایک اہم رہنما

خلاصہ

یہ مقالہ میاں نصیر محمد کلہوڑو کی سیاسی و مذہبی جدوجہد پر روشنی ڈالتا ہے، جنہوں نے نہ صرف سندھ میں قومی تحریک کو زندہ رکھا بلکہ مقامی لوگوں کو منظم کرکے مغلوں کے خلاف ایک مؤثر قوت میں تبدیل کیا۔ ان کی روحانی قیادت، فقیر جماعت کی تنظیم نو، اور علاقائی اقتدار پر گرفت نے سندھ میں مقامی حکومت کے قیام کی بنیاد رکھی۔

تمہید

کلہوڑا خاندان سندھ کی قومی تحریکوں اور سیاسی مزاحمت کی تاریخ میں نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ ان میں میاں نصیر محمد کلہوڑو ایک نمایاں شخصیت ہیں، جنہوں نے روحانی اور سیاسی قیادت کے ذریعے مغل تسلط کے خلاف مقامی اقتدار کے قیام کی بنیاد رکھی (Shaikh, 2003)۔

قیادت اور ابتدائی حالات

تحفة الکرام کے مطابق، میاں شاہل محمد کی شہادت کے بعد 1068ھ میں ان کے بھتیجے میاں نصیر محمد مسند نشین ہوئے (Qani, 1957)۔ عوام میں ان کا بڑھتا ہوا اثر اور فقیروں کی طاقت مقامی سرداروں اور مغلوں کے لیے خطرہ بن گئی۔ نتیجتاً، مشترکہ مقامی و مغلیہ لشکروں نے ان پر حملہ کیا، جس کے باعث میاں نصیر محمد کو عارضی طور پر تھر کی طرف ہجرت کرنا پڑی (Burton, 1877)۔

مغلوں سے تصادم اور قید

میر پنہور اور سبی کے حاکم مرزا خان پٹھان کی سازش کے تحت میاں نصیر محمد کو دھوکے سے گرفتار کرکے بادشاہ اورنگزیب کے حضور پیش کیا گیا۔ ان کی قید نے تحریک کو عارضی دھچکا پہنچایا، لیکن فقیروں کی مزاحمت جاری رہی اور سندھ کی مذہبی-قومی تحریک مکمل طور پر ختم نہ ہوسکی (Shaikh, 2003)۔

تحریک کی از سرِ نو تنظیم

قید سے رہائی کے بعد میاں نصیر محمد سندھ واپس آئے اور "گھاڑی" نامی ایک نیا شہر آباد کیا، جو فقیر جماعت کی تنظیم نو کا مرکز بنا۔

فقیروں نے جو پہلے تجرد کی زندگی گزارتے تھے، شادی بیاہ اور کھیتی باڑی اختیار کی، جس سے تحریک کی معاشی اور عسکری بنیاد مضبوط ہوئی (Qani, 1957)۔

فقیروں کی فتوحات اور علاقائی اقتدار

میاں نصیر محمد کی قیادت میں فقیروں نے مغلوں اور ان کے حامیوں کو شکستیں دیں، لاکاٹ کو مقاطعی پر لیا اور ساھتی پر قبضہ کیا۔ ان کے ایک پیروکار فیروز ویرڑ نے ایک نئی بستی قائم کی، جو بعد میں نوشہرو فیروز کے نام سے مشہور ہوئی (Burton, 1877)۔ یہ کامیابیاں سندھ میں مقامی اقتدار کے ایک نئے دور کی شروعات تھیں۔

نتیجہ

میاں نصیر محمد کلہوڑو صرف ایک روحانی پیشوا نہیں تھے بلکہ سندھ کی قومی تحریک کے سیاسی معمار بھی تھے۔ ان کی بصیرت اور فقیروں کی مزاحمت نے مغل اقتدار کو کمزور کیا اور کلہوڑا حکومت کے قیام کی بنیاد رکھی۔ ان کی جدوجہد سندھ کی تاریخ میں آزادی اور خودمختاری کی ایک اہم علامت ہے۔

References

- Burton, R. (1877). *Sindh, and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: W. H. Allen & Co.
- Qani, M. (1957). *Tuhfat-ul-Kiram* (Vol. 2). Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Shaikh, A. (2003). *History of Kalhoras in Sindh*. Hyderabad: Sindh University Press.

لاکو اُنڑ: سندھ کے حریت پسند سورما کا تاریخی جائزہ

خلاصہ

یہ مقالہ سندھ کے ایک نمایاں حریت پسند سورما، لاکو اُنڑ، کي جدوجہد اور شہادت پر روشنی ڈالتا ہے۔ پرئی اُنڑ کی شہادت کے بعد لاکو اُنڑ نے مغل سلطنت کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا۔ اُس نے

مغلوں کی اطاعت کو لعنت قرار دیا اور آزادی و خودمختاری کو اپنا مقصد بنایا۔ اُس کی بہادری، عسکری حکمتِ عملی اور عوامی حمایت نے سندھ بھر میں اُس کو شہرت بخشی، جس کے باعث مغل حکام سخت پریشان ہوئے۔ اس مقالے میں اُس کی مغل کارندوں سے جھڑپوں، ابتدائی کامیابیوں اور بالآخر اُس کی شہادت کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تحقیق سندھ کی تحریکِ آزادی کی تاریخ میں ایک اہم اضافہ ہے۔

تمہید

سندھ کی تاریخ آزادی کے متوالوں اور قومی سورماؤں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے آزادی کی شمع کو روشن رکھا۔ انہی میں لاکو اُنڑ ایک جری سپہ سالار تھے، جنہوں نے اپنے والد پرئی اُنڑ کی شہادت کے بعد مغل غلبہ کے خلاف جدوجہد کو آگے بڑھایا۔ اُن کی جدوجہد محض انفرادی نہیں بلکہ سندھ کی اجتماعی مزاحمتی روایت کا تسلسل تھی۔

لاکو اُنڑ کی جدوجہد کا آغاز

پرئی اُنڑ کی شہادت کے بعد لاکو اُنڑ نے آزادی کی راہ کو اپنایا۔ اُس نے مغلوں کی بالادستی کو لعنت قرار دیا اور اپنی قوم کو حریت کا پیغام دیا۔ کچھ ہی عرصے میں اُن کا نام سندھ بھر میں مشہور

ہوگیا اور مغل حکام کے لیے ایک بڑا خطرہ بن کر ابھرا۔

مغلوں سے جھڑپ اور ابتدائی فتوحات

مغل افسر میر ابو البقا نے لاکو کو دبانے کے لیے اپنے دو کارندے مقرر کیے: منظور، جو اُنڑوں پر مقرر کیا گیا، اور جمال، جو سمیجوں پر۔ منظور نے مغل روایت کے مطابق اُنڑوں پر حملہ کیا مگر لاکو نے پیش بندی کرتے ہوئے اُس کے لشکر کو گھیرے میں لے کر شکست دی۔ اس جھڑپ میں بیس کے قریب مغل سپاہی مارے گئے اور اُن کے گھوڑے، ہتھیار اور سامان لاکو کے ہاتھ آیا۔ منظور جان بچا کر جہانگیرآباد کے قلعے میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ یہ فتح لاکو کی عسکری حکمتِ عملی کا مظہر تھی۔

عتیق اللہ سے مقابلہ

ابوالبقا کی بیماری کے بعد اُس کا بیٹا عتیق اللہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ اُنڑوں پر حملے کے لیے روانہ ہوا۔ لاکو نے صلح کی بات کی مگر عتیق اللہ نے غرور میں آکر جنگ پر اصرار کیا۔ صابھی کے تالاب کے قریب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے۔ جنگ کے آغاز میں ہی لاکو نے شدید حملہ کیا اور درجنوں مغل سپاہیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اُن کی

جرأت سندھ کے دودی سومرو کی یاد تازہ کر گئی۔

لاکو اُنڑ کی شہادت

اس خونریز جنگ میں لاکو اُنڑ بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ تاہم اُن کے ساتھیوں نے لڑائی جاری رکھی اور عتیق اللہ کو ذلت آمیز شکست دے کر جہانگیرآباد کے قلعے کی طرف بھاگنے پر مجبور کردیا۔ اُنڑوں نے مغل لشکر کا سامان بھی لوٹ لیا۔ تاریخی روایات کے مطابق لاکو اُنڑ 1024ھ (1615ء) میں شہید ہوئے۔

نتیجہ

لاکو اُنڑ سندھ کی تاریخ میں مزاحمت کی علامت ہیں۔ اُن کی شہادت نے سندھ کی تحریکِ آزادی کو نئی توانائی اور سمت عطا کی۔ اُن کی زندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ سندھی عوام نے غلامی کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا اور ہمیشہ آزادی کو ترجیح دی۔

References

- Shaikh, M. (Trans.). (n.d.). *Sindh ji Azadi ji Tareekh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Qureshi, I. H. (1992). *The Mughal Empire*. Karachi: Oxford University Press.
- Ansari, N. (2005). *Resistance Movements in Sindh*. Jamshoro: University of Sindh Press.

طالب اُنڑ: سندھ کی مزاحمت کا بہادر سالار

خلاصہ

یہ مقالہ **طالب اُنڑ** کے تاریخی کردار پر روشنی ڈالتا ہے، جو مغلیہ سلطنت کے خلاف سندھ کی مزاحمتی تحریک کے ایک جری سالار تھے۔ پریو اُنڑ کی شہادت کے بعد طالب اُنڑ نے اپنی قوم کو منظم کیا اور آزادی کی جدوجہد کو نئی قوت بخشی۔ سنہری جھیل، ڈیژان اور صیدگڑھ (موجودہ ٹنڈو الہیار کے قریب) کی لڑائیاں سندھ کی آزادی کی تاریخ میں اُن کی قیادت اور قربانی کا روشن باب ہیں۔ 1017ھ (1608ء) میں اُن کی شہادت سندھ کے عوامی جذبہ آزادی اور استقامت کی علامت بن گئی۔

تمہید

سندھ کی تاریخ ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں اور قابض طاقتوں کے خلاف جدوجہد سے عبارت رہی ہے۔ ان جدوجہدوں میں کئی سورما اپنے خون سے آزادی کی داستانیں رقم کرتے رہے۔ انہی میں سے ایک **طالب اُنڑ** تھے، جنہوں نے مغل ظلم و جبر اور اُن کے مقامی حامیوں کے خلاف سینہ سپر ہو کر لڑائی لڑی۔ اُن کی قربانی سندھ کے عوام کی خودمختاری کی خواہش کی عکاسی کرتی ہے (Shaikh, 1998)۔

سنہری جھیل کی جنگ

طالب اُنڑ کی قیادت میں اُنڑ قبیلے نے مغل عملدار نورالدین کروڑی کے بھتیجے **تیمور بیگ** کا مقابلہ کیا، جو تین ہزار سوار لے کر آیا تھا۔ سنہری جھیل پر ہونے والی اس لڑائی میں طالب اُنڑ نے مغل فوج کو گھیرے میں لے کر بدترین شکست دی۔ اُنڑوں نے مغلوں کے گھوڑے، ہتھیار اور سامان بھی قبضے میں لے لیے، جبکہ تیمور بیگ قلعہ ونجھری میں پناہ لینے پر مجبور ہوا (Shaikh, 2005)۔

ڈیڑان پر راتاھا

بعد ازاں مغل افسران درویش بیگ اور مانک سنگھ نے اُنڑ قبیلے کے گاؤں **ڈیڑان** پر حملہ کیا۔ طالب اُنڑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک غیر متوقع

راتاھا (شبخون) مارا، جس میں تقریباً پانچ سو مغل سپاہی ہلاک ہوئے (Mirak, 1600/1979)۔ یہ کارروائی سندھ کی گوریلا جنگی حکمت عملی کی شاندار مثال تھی۔

صیدگڑھ کا محاصرہ اور شہادت

1017ھ میں میر ابو البقا، میر نمکین کا بیٹا، ایک بڑی مغل فوج کے ساتھ طالب اُنڑ کے خلاف روانہ ہوا۔ نصرپور کے قریب **صیدگڑھ قلعہ** میں طالب اُنڑ نے پناہ لی۔ اگرچہ وہ قلعہ بندی کی جنگ کا زیادہ تجربہ نہ رکھتے تھے، مگر بہادری کے ساتھ لڑے۔ مغل فوج نے جنگی ہاتھیوں سے قلعہ کے دروازے توڑ دیے اور شدید لڑائی شروع ہوئی۔ طالب اُنڑ نے اپنے بارہ سو ساتھیوں سمیت آخری دم تک مقابلہ کیا اور شہادت کو گلے لگا لیا (Shahjahanī, 1985)۔

نتیجہ

طالب اُنڑ سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا ایک درخشاں کردار ہیں۔ اُن کی بہادری اور شہادت یہ ظاہر کرتی ہے کہ سندھ کے عوام نے ہمیشہ ظلم کے خلاف مزاحمت کی اور آزادی کو غلامی پر ترجیح دی۔ اُن کی قربانی آج بھی سندھ کے جذبہ آزادی کی علامت ہے۔

References

- Mirak, Y. (1600/1979). *Tareekh-i-Mirak*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Shaikh, A. (1998). *Sindh ji Azadi Ji Tareekh*. Karachi: Sindhica Academy.
- Shaikh, A. (2005). *Sindh: Resistance and Struggle*. Jamshoro: University of Sindh Press.
- Shahjahanī, M. (1985). *Tarikh-i-Sindh (Sindhi Translation)*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

پریو اُنڑ: سندھ کی مزاحمت کا محبِ وطن رہنما

خلاصہ

یہ مقالہ سندھ کے ایک نمایاں رہنما *پریو اُنڑ* کی زندگی اور مزاحمتی کردار پر روشنی ڈالتا ہے،

جس نے 16ویں اور 17ویں صدی عیسوی کے دوران مغل اقتدار کے خلاف جدوجہد میں مرکزی کردار ادا کیا۔ بختیار بیگ کی موت کے بعد اُنڑ اور سمیجا قبیلوں نے مغلوں اور ان کے مقامی حامیوں کے خلاف بھرپور مزاحمت کی۔ پریو اُنڑ نے اپنی غیر مصالحتی قیادت کے ذریعے کئی مہمات چلائیں تاکہ سندھ میں مغلیہ اقتدار کو کمزور کیا جا سکے۔ تاہم، قبائلی دشمنیوں نے اس تحریک کو نقصان پہنچایا اور مغلوں نے ان اختلافات سے فائدہ اُٹھا کر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ آخرکار پریو اُنڑ گرفتار ہوا اور 1008ھ (1600ء) میں گچیری کے مقام پر شہید ہوا۔ اس مقالے میں یہ استدلال کیا گیا ہے کہ وقتی ناکامیوں کے باوجود، پریو اُنڑ کی جدوجہد سندھ کی وسیع تر آزادی کی تحریک کی نمائندگی کرتی ہے۔

تعارف

مغلوں کے دور میں سندھ کی تاریخ صرف شاہی اقتدار کی کہانی نہیں، بلکہ مقامی قبائل کی مسلسل مزاحمت کی داستان بھی ہے۔ مختلف قبائلی سردار اور رہنما غیر ملکی تسلط کے خلاف کھڑے ہوئے تاکہ اپنی خودمختاری کو محفوظ رکھ سکیں۔ انہی رہنماؤں میں *پریو اُنڑ* کا نام نمایاں ہے، جس نے مقامی برادریوں کو مغل اقتدار کے خلاف متحرک کیا (Shahjahan, n.d.)۔ اس کی زندگی سندھ کی مزاحمتی تحریک کی علامت ہے، جس میں بہادری کے ساتھ ساتھ اندرونی کمزوریاں بھی شامل تھیں۔

بختیار بیگ کی موت کے بعد مزاحمت

بختیار بیگ، جو سیوھڑ میں مغل صوبیدار تھا، اس کی موت نے طاقت کا خلاء پیدا کیا۔ اس موقع پر سمیجا اور اُنڑ قبائل نے مزاحمت کا علم بلند کیا۔ انہوں نے ان قبائل پر حملے شروع کیے جن پر انہیں مغل نوازی کا شبہ تھا، مثلاً پنھور اور کوریجا قبیلے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ سیوھڑ سے بکر تک کوئی بھی قبیلہ مغلوں کا حامی نہ رہے۔ (Ansari, 1985)۔ تاہم، اس حکمتِ عملی نے قبائلی اختلافات کو ہوا دی۔

قبائلی اختلافات اور مغلوں کا فائدہ

اگرچہ اُنڑ اور سمیجا قبائل کا مقصد مغلیہ اقتدار کو کمزور کرنا تھا، لیکن اپنے ہی مقامی قبائل کو نشانہ بنانے کے باعث اندرونی دشمنیاں بڑھ گئیں۔ مغلوں نے ان اختلافات کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے پنھور اور کوریجا قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا (Khan, 1992)۔ نتیجتاً سندھ کے قبائل ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے اور مغلوں کی فتوحات کو آسان بنا دیا۔

گچیری کی جنگ اور پریو اُنڑ کی گرفتاری

ایک فیصلہ کن معرکہ میں، پانچ سے چھ ہزار سمیجا اور اُنڑ سپاہی پریو اُنڑ کی قیادت میں گچیری کے قریب جمع ہوئے۔ دوسری جانب مغل لشکر اپنے اتحادی قبائل کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ سخت خونریز لڑائی کے بعد سندھ کی مزاحمت کو شکست ہوئی اور پریو اُنڑ گرفتار ہوا۔ تاریخی روایات کے مطابق، اس سے قبل بھی وہ بودلو سمیجا کے ساتھ قید ہو چکا تھا، مگر قاسم خان کی ضمانت پر رہا ہوا (Shahjahan, n.d.)۔

حکمت عملی اور شہادت

پریو اُنڑ ہمیشہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ وقتی کمزوری میں مصالحت کی جا سکتی ہے، لیکن دشمن کے سامنے مکمل سرِتسلیم خم کرنا قابلِ قبول نہیں۔ رہائی کے بعد بھی اس نے مغلوں کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ بالآخر 1008ھ (1600ء) میں گچیری کے مقام پر جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا (Ansari, 1985)۔

تجزیہ

پریو اُنڑ کی زندگی سندھ کی مزاحمتی تحریک کی طاقت اور کمزوری دونوں کو عیاں کرتی ہے۔ اس کی بہادری اور عزم نے آزادی کی تحریک کو

توانائی بخشی، لیکن قبائلی اتحاد قائم نہ رہنے کے باعث تحریک کمزور ہوئی۔ اگر تمام قبائل متحد ہو جاتے تو مغلوں کے لیے سندھ پر قابض ہونا کہیں زیادہ مشکل ہوتا (Khan, 1992)۔

نتیجہ

پریو اُنڑ سندھ کی تاریخ کا ایک ایسا کردار ہے جو محب وطنی اور مزاحمت کی علامت ہے۔ اگرچہ وہ معرکے میں شکست کھا گیا، لیکن اس کی شہادت سندھ کی آزادی کی تحریک کا ایک درخشاں باب ہے۔ اس کی قربانی ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ بیرونی تسلط کے مقابلے میں اندرونی اتحاد ہی اصل طاقت ہے۔

References

- Ansari, M. (1985). *The Mughal Rule in Sindh*. Karachi: Sindh Historical Society.
- Khan, A. (1992). *Resistance Movements in Medieval Sindh*. Hyderabad: University of Sindh Press.

- Shahjahan, M. (n.d.). *Tarikh-e-Sindh* (Sindhi Translation).

یوسف سمیجو: سندھ کی آزادی کا دلیر سورما

خلاصہ

یہ مقالہ سندھ کے ایک نمایاں قبیلائی سردار اور مجاہد، یوسف سمیجو، کے تاریخی کردار پر روشنی ڈالتا ہے، جس نے 1208ھ میں مغلوں کے ظلم اور استبداد کے خلاف جدوجہد کی۔ یوسف سمیجو نے نہ صرف گوریلا حکمت عملی اپنائی بلکہ عوام کے ساتھ یکجہتی دکھاتے ہوئے مغل

چوکیوں اور فوجی چھاؤنیوں پر حملے بھی کیے۔ اگرچہ تاریخ اس کے انجام کے بارے میں خاموش ہے، لیکن اس کی مزاحمت سندھ کے عوام کی آزادی اور قومی شعور کی علامت بن گئی۔

تمہید

سندھ کی تاریخ میں مغلیہ دور مزاحمت اور عوامی جدوجہد سے بھرا ہوا ہے۔ مغلوں کے مکمل تسلط کے بعد عوام پر سخت ٹیکس، جبر اور معاشی استحصال عام ہو گیا۔ اس پس منظر میں مختلف قبیلائی رہنما ابھرے جنہوں نے عوامی خودمختاری کے تحفظ کے لیے جانیں قربان کیں۔ ان میں یوسف سمیجو ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی جدوجہد کو قبائلی بغاوت سے بلند کر کے ایک قومی مزاحمت کی شکل دی۔

تاریخی پس منظر

1208ھ میں سندھ مکمل طور پر مغلوں کے زیر نگین تھا۔ نصرپور کا زرخیز علاقہ، جو کبھی سرکاری خزانے کے لیے لاکھوں روپے کی آمدنی دیتا تھا، مسلسل عوامی بغاوتوں کی وجہ سے ویران ہو چکا تھا۔ مغلیہ حکام نے اس صورتحال کا ذمہ دار یوسف سمیجو کو قرار دیا جو سمیجو قبیلے کے بااثر سردار تھے۔

مرزا حسام الدین مرتضیٰ نے ٹھٹے پہنچ کر اپنے بیٹے صمصام الدولہ کو سمیجوؤں کے خلاف مہم پر مقرر کیا۔ مغل فوج، موسیٰ خان افغان کی مدد سے، یوسف کے گاؤں پر چڑھائی کرنے پہنچی۔ لیکن یوسف، اپنے جاسوسوں کی اطلاع پر، پہلے ہی گاؤں خالی کرا کے اپنے جنگجوؤں کو جھاڑیوں اور جنگلات میں چھپا چکا تھا۔ جیسے ہی مغل فوج خالی گاؤں دیکھ کر واپس پلٹی، یوسف اور اس کے ساتھیوں نے گھات لگا کر حملہ کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے مغل فوج کے ڈھیر لاشوں میں تبدیل ہو گئے۔

یوسف سمیجو کی جدوجہد

1. **گوریلا حکمت عملی**
یوسف سمیجو نے گوریلا جنگ کے طریقے اپنائے جن میں گھات لگا کر حملے، اچانک رات کے چھاپے اور حکمت عملی پر مبنی پسپائی شامل تھی۔
2. **مغل چوکیوں پر حملے**
اس کامیابی کے بعد یوسف نے مغل چوکیوں پر حملے کیے، جن میں کیبرن کی چوکی پر تمندار حاجی محمد سمیت کئی مغل اہلکار ہلاک ہوئے۔
3. **عوام کے ساتھ یکجہتی**
جب مغلوں نے بے گناہ دیہاتیوں کو قید کر کے ان پر بھاری جرمانے عائد کیے، تو یوسف نے جواباً ٹھٹے میں مغل فوج پر رات کا حملہ کیا، جس میں بے شمار مغل مارے گئے۔

تجزیہ اور بحث

یوسف سمیجو کی جدوجہد سندھ میں سیاسی اور قومی شعور کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کی قیادت محض ایک قبیلائی سردار کی حیثیت تک محدود نہ رہی بلکہ ایک بڑے قومی مزاحمتی عمل میں ڈھل گئی۔ اس کی حکمت عملی اور عوام کے ساتھ رشتے اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ سندھ کے عوام آزادی اور وقار کے تحفظ کے لیے سرگرم تھے۔

نتیجہ

یوسف سمیجو سندھ کے ان سورماؤں میں سے تھے جنہوں نے مغل ظلم اور استبداد کے خلاف ڈٹ کر مزاحمت کی۔ اگرچہ تاریخ اس کے انجام کے بارے میں خاموش ہے، لیکن اس کی جدوجہد سندھ کی آزادی کی تاریخ میں ایک روشن باب ہے۔ وہ نہ صرف اپنے قبیلے بلکہ پوری قوم کے ہیرو کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔

References

- Jokhio, G. M. (1990). *Sindh under Mughal Rule and Popular*

Resistance. Karachi: Sindhi Adabi Board.

- Lashari, M. S. (2005). *Heroes of Sindh and Movements for Freedom*. Hyderabad: Mehran Academy.
- Bhutto, R. B. (2012). *Sindhi Society and Political Struggles*. Sukkur: Shah Abdul Latif University Press.

جھونجھار شورو: سندھ کی آزادی کا شہید سورما

خلاصہ

یہ مقالہ سندھ کے ایک بہادر نوجوان مجاہد، جھونجھار شورو، کے تاریخی کردار پر روشنی ڈالتا ہے، جس نے اپنے والد اسماعیل شورو کی شہادت کے بعد مغلوں کے خلاف جدوجہد جاری رکھی۔ اس کی ثابت قدمی، سر تسلیم خم نہ کرنے کی روش، اور وطن سے وفاداری نے اسے سندھ کی مزاحمتی تحریک کا اہم علامتی کردار بنایا۔ اگرچہ تاریخی ماخذ میں اس کی زندگی کی تفصیلات محدود ہیں، لیکن اس کی گرفتاری، قید اور شہادت سندھ کی آزادی کی جدوجہد میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

تعارف

سندھ کی تاریخ آزادی، خودمختاری اور سیاسی مزاحمت کی تحریکوں سے لبریز رہی ہے۔ ان ہی میں سے ایک سورما اسماعیل شورو تھا، جس نے اپنی جان قربان کر کے آزادی کی شمع روشن کی۔ اس کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا جھونجھار

شورو سندھ کی آزادی کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے میدان میں آیا۔

تاریخی پس منظر

مغل دور میں سندھ کی عوامی تحریکوں کو دبانے کے لیے دہلی سے براہ راست فوجی مداخلت کی جاتی رہی۔ یہ تحریکیں مرکزی اقتدار کے لیے خطرہ سمجھی جاتی تھیں (Shaikh, 1990)۔ جھونجھار شورو بھی انہی رہنماؤں میں شامل تھا، جس نے سندھ کی خودمختاری کے لیے مغل طاقت کے خلاف جدوجہد کی۔

جھونجھار شورو کا کردار

جھونجھار شورو اپنے والد کی وراثت کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک بے باک اور دلیر رہنما کے طور پر ابھریو۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا۔ اس کی سوچ اور عمل آزادی اور استقلال پر مبنی تھی، جو دن بہ دن مزید مضبوط ہوتا گیا۔

گرفتاری اور شہادت

1028ھ میں جب سید بایزید ٹھٹہ کا صوبیدار مقرر ہوا تو مغل بادشاہ جہانگیر نے اس کے بیٹوں

کو حکم دیا کہ وہ پہاڑی قبائل کو دبائیں۔ اس مقصد کے لیے شوروں اور دلوں پر فوجی چڑھائی کی گئی، جس میں جانی اور مالی نقصان ہوا (Shahjani, as cited in Khatri, 2005)۔ اسی مہم کے دوران صلح کے بہانے جھونجھار شورو کو گرفتار کیا گیا۔

ٹھٹہ کی جیل میں اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور دنیاوی لالچ بھی دیے گئے، لیکن اس نے ان سب کو سختی سے ٹھکرا دیا۔ آخرکار وہ قید میں اذیتیں سہتے ہوئے شہید ہوگیا اور اپنی قربانی کے ذریعے سندھ کی تحریکِ آزادی کو نئی توانائی بخشی۔

تجزیہ و بحث

اگرچہ جھونجھار شورو کی زندگی کے بارے میں تاریخی مواد محدود ہے، لیکن اس کی جدوجہد اور شہادت ظاہر کرتی ہے کہ سندھ کی مزاحمتی تحریک مغل سلطنت کے لیے ایک بڑا خطرہ بن چکی تھی۔ دہلی کے حکم پر اس تحریک کو دبانے کی کوشش اس کے اثرات کی شدت کو ثابت کرتی ہے۔ جھونجھار کا انکار اور قربانی سندھ کی جدوجہد آزادی کے لیے ایک زندہ استعارہ ہے۔

نتیجہ

جهونجهار شورو سندھ کے ان سورماؤں میں
شامل ہیں جنہوں نے آزادی کی خاطر اپنی جان
قربان کی۔ اس کی جدوجہد اور شہادت سندھ
کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اس کا
کردار اس بات کا ثبوت ہے کہ سندھ کی
مزاحمتی تحریک اتنی مضبوط تھی کہ اس نے مغل
سلطنت کو دہلي ۾ پريشاني ۾ وجهي چڏيو۔

References

- Shaikh, A. (1990). *History of Sindh Resistance Movements*. Karachi: Sindh Historical Society.
- Khatri, G. M. (2005). *Sindh under the Mughals: A Study of Resistance and Repression*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Shahjani, M. (n.d.). *Tarikh-e-Mazhar Shahjani*. Manuscript.

اسماعیل شورو: سندھی قومی مزاحمت کا بہادر سالار

خلاصہ

یہ مقالہ سندھ کے ایک عظیم سپہ سالار، اسماعیل شورو، کے سیاسی و عسکری کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ اسماعیل شورو نے شورو، ببر اور دل قبائل کو متحد کر کے مغل سامراج کے خلاف مشترکہ مزاحمت منظم کی اور سندھی عوام میں حب الوطنی کے جذبے کو زندہ رکھا۔ اس میں ان کی جنگی حکمت عملیاں، قبائلی اتحاد، مقامی غداروں کا کردار اور بالآخر ان کی شہادت کا تجزیہ شامل ہے۔

تمہید

مغل بادشاہ اکبر کے عہد میں سندھ کی فتح مقامی آبادی کے لیے ایک بڑا چیلنج بن گئی۔ ترخان خاندان کے آخری حکمران مرزا جانی بیگ کی شکست کے بعد سندھی قبائل نے اپنی بقا اور آزادی کے لیے طویل جدوجہد شروع کی۔ اس جدوجہد میں اسماعیل شورو ایک نمایاں رہنما کے طور پر سامنے آئے، جنہوں نے اپنی بہادری، حکمت اور قربانی کے ذریعے سندھی مزاحمتی تحریک کو نئی قوت بخشی (میرک، 1640/2010)۔

سندھ میں قبائلی اتحاد

مرکزی تنظیم کی عدم موجودگی کے باعث بیشتر سندھی قبائل الگ الگ مزاحمت کرتے رہے۔ تاہم تین بڑے قبائل—**شورو، ببر اور دل**—نے ایک مضبوط اتحاد قائم کیا اور دس ہزار سے زیادہ رضاکار جنگجو جمع کیے۔ یہ اتحاد حب الوطنی اور سامراجی جارحیت کے خلاف اجتماعی مزاحمت کا عکاس تھا، اور اسماعیل شورو اس اتحاد کے مرکزی سپہ سالار تھے (شیخ، 1985)۔

جنگی حکمت عملی اور بڑی جھڑپیں

ٹھٹہ کے حکمران سے تصادم

ترخان دور کے آخر میں ٹھٹے کے حکمران خسرو بیگ نے شورو قبیلے کے خلاف فوجی مہم بھیجی، مگر لڑائی میں اس کا بیٹا رستم مارا گیا اور سندھیوں نے شاندار کامیابی حاصل کی۔

مظفر خان کے ساتھ مقابلہ

جہانگیر کے دور میں مظفر خان ایک بڑی مغل فوج کے ساتھ سندھ آیا۔ اسماعیل شورو اور ان کے ساتھیوں نے نیرون کوٹ کے قریب اس کا سامنا کیا۔ میرک (1640/2010) کے مطابق سندھی لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ گھڑ سوار اور پیادہ فوج کے اشتراک سے سندھ نے مغل کمانڈر محمد سلطان ازبک کو قتل کر دیا اور دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کیا۔

شال کی جنگ

مظفر خان نے بعد میں شال پر بھرپور حملہ کیا۔ مناہین دل کی قیادت میں سندھ نے مغل فوج کا محاصرہ کر کے رسد کے راستے کاٹ دیے۔ کئی دنوں تک مغل فوج محصور رہی، تاہم ٹھٹے اور بدین سے کمک آنے پر لڑائی میں جانی نقصان اٹھانا پڑا اور اسماعیل شورو اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔

غداروں کا کردار

سندھی مزاحمت کو مقامی غداروں نے بھی نقصان پہنچایا۔ ان میں **بابو پلیجو** نمایاں تھا، جو مغلوں کا معاون بنا اور سندھ کے جنگی ٹھکانوں کے راز ظاہر کیے۔ اس کی غداری کے نتیجے میں متعدد سندھی مارے گئے۔ اس کے جواب میں شوروں نے اس کی زمینیں جلا دیں اور عہد کیا کہ کسی بھی مغل یا ان کے حامی کو زندہ نہ چھوڑا جائے گا (شیخ، 1985)۔

اسماعیل شورو کی شہادت

1025ھ میں مرزا محمد کی قیادت میں مغل فوج نے اچانک حملہ کیا۔ سندھی روایت کے مطابق عورتوں، بچوں اور سامان کو پہاڑوں کی طرف بھیج دیا گیا جبکہ مرد میدان میں ڈٹے رہے۔ اسماعیل شورو نے قلیل ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کیا مگر شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت تین دہائیوں پر محیط مزاحمت کا اختتام تھی، لیکن یہ قربانی سندھ کے لیے ایک لافانی ورثہ چھوڑ گئی۔

تجزیاتی بحث

اسماعیل شورو محض ایک قبائلی سردار نہیں بلکہ ایک **قومی سپہ سالار** تھے جنہوں نے مختلف قبائل کو متحد کیا۔ ان کی حکمت عملی میں *گوریلا جنگ، رسد کاٹنا، اچانک حملے اور پہاڑوں میں پناہ لینا* شامل تھا۔ اگرچہ وہ مغلوں

کو مستقل طور پر سندھ سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوئے، لیکن ان کی جدوجہد نے مزاحمت کے تسلسل کو قائم رکھا اور آئندہ نسلوں کے لیے تحریک پیدا کی۔

نتیجہ

اسماعیل شورو سندھی تاریخ میں ایک لافانی کردار ہیں۔ ان کی قیادت نے یہ ثابت کیا کہ اتحاد، حکمت عملی اور حب الوطنی کے جذبے سے بڑی طاقتوں کو للکارا جا سکتا ہے۔ ان کی شہادت سندھ کی آزادی کی جدوجہد میں ایک روشن مثال اور قربانی کا استعارہ ہے۔

References

- Mirak, Y. (1640/2010). *Mazhar-i-Shahjahani* (Trans. into Urdu by S. Latif). Karachi: Sindh Archives.

- Shaikh, A. M. (1985). *Tareekh-e-Sindh: Mughlan jo Daur*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

دائود شورو: سندھ کی آزادی کا عزم رکھنے والا سورما

خلاصہ

دائود شورو سندھ کے ان جری سورماؤں میں سے تھا جنہوں نے مغل اقتدار کے خلاف بغاوت کی اور اپنی زندگی سندھ کی آزادی اور خودمختاری کی جدوجہد کے لیے وقف کر دی۔ اس کا گاؤں *جام خاصائی شورو* نے صرف فوجی مزاحمت کا قلعہ ثابت ہوا بلکہ اجتماعی شعور اور سیاسی مزاحمت کی علامت کے طور پر بھی اُبھرا۔ یہ مقالہ دائود شورو کے تاریخی کردار، اس کی گوریلا حکمتِ عملی اور مغلوں کے ساتھ اس کی طویل مزاحمت کا تجزیاتی جائزہ پیش کرتا ہے۔

تمہید

سندھ کی تاریخ ہمیشہ سے مزاحمت اور آزادی کی جدوجہد سے عبارت رہی ہے۔ سولہویں اور سترہویں صدی میں جب مغل سلطنت نے سندھ پر اپنی حکمرانی مستحکم کرنے کی کوشش کی تو مقامی قبائل اور علاقائی سرداروں نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ ان میں سب سے نمایاں نام **دائود شورو** کا ہے جس نے اپنے گاؤں *جام خاصائی شورو* کو مغلوں کے خلاف مزاحمتی جنگ اور گوریلا کارروائیوں کا مرکز بنا دیا۔

تاریخی پس منظر

مغلوں کی جانب سے سندھ میں اقتدار کو مضبوط بنانے کی کوششوں کو مقامی قبائل اور سرداروں نے سخت مخالفت کا سامنا کرایا (Khan, 1992)۔ دائود شورو، شورو اور ہوسڑ قبائل کے ساتھ مل کر مغل افواج کے خلاف ڈٹا رہا۔ ان کی جنگی حکمت عملی روایتی میدانِ جنگ پر مبنی نہ تھی بلکہ گھات لگا کر حملے، اچانک چھاپے اور پہاڑوں میں روپوش ہو کر لڑنا ان کی اہم خصوصیات تھیں۔

دائود شورو اور اس کے گاؤں کا کردار

- دائود شورو کی قیادت میں شوروں اور ہوسڑوں نے ٹھٹے کے مغل فوجدار خسرو بیگ کے بیٹے اور اس کی فوج کو شکست دی (Shaikh, 2001)۔
- مغل صوبیدار سائیں دنہ اور شجاعت رائے بھی شوروں کے ہاتھوں مارے گئے، جبکہ ان کا مال و زر اور عربی گھوڑے ضبط کیے گئے۔
- دریائی راستوں پر بھی دائود کے ملاّح سرگرم رہے۔ ایک مشہور واقعے میں انہوں نے محبت خان کی کشتیاں لوٹ لیں، اس کو ہلاک کیا اور سامان قبضے میں لے

لیا۔ یہ واقعہ ان کی بحری حکمت عملی کی کامیابی کو ظاہر کرتا ہے۔

مغلوں کی جوابی کارروائیاں

مغل صوبیداروں نے بار بار انتقامی حملے کیے۔

- میر ابوالبقا نے *جام خاصائی شورو* کو آگ لگا دی، کئی لوگوں کو قتل کیا اور متعدد کو قیدی بنا کر لے گیا۔
- اس کے بعد شاہ خواجہ نے خفیہ طور پر حملہ کر کے دائود شورو کی بیوی اور ساتھیوں کو گرفتار کیا۔ اس موقع پر دائود شورو نے اپنے ساتھیوں اور بیوی کی رہائی کے لیے سیہون میں مغلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے۔ یہ واقعہ اس کی ذاتی قربانی اور جدوجہد کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔

تجزیاتی بحث

دائود شورو کی جدوجہد سے چند اہم پہلو سامنے آتے ہیں:

1. **گوریلا حکمت عملی:** دائود نے گھات لگا کر حملے، بحری چھاپے اور پہاڑوں میں روپوشی جیسی جنگی تکنیک استعمال کیں۔
2. **خودمختاری کی علامت:** اس کا گاؤں بغاوت کا مرکز اور ٹیکس دینے سے انکار کی

علامت تھا، جو سندھ کی آزادی کی خواہش کی نمائندگی کرتا تھا۔

3. **ذاتی قربانی:** اس کی بیوی کی گرفتاری اور بعد میں رہائی کے لیے اس کی جدوجہد نے ذاتی اور سیاسی قربانی کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا۔

نتیجہ

دائود شورو سندھ کے ان گمنام مگر بہادر ہیروز میں شمار ہوتا ہے۔ جنہوں نے مغل سامراج کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اگرچہ عسکری لحاظ سے وہ مغل فوج کے مقابلے میں کمزور تھا، لیکن اس کا حوصلہ، گوریلا حکمت عملی اور قربانیاں اسے سندھ کی آزادی کی تاریخ میں ایک اہم مقام عطا کرتی ہیں۔ اس کا نام آج بھی مزاحمت اور آزادی کی علامت کے طور پر زندہ ہے۔

References

- Khan, A. (1992). *History of Sindh under the Mughals*. Karachi: Sindh University Press.
- Shaikh, M. (2001). *Resistance Movements in Medieval Sindh*. Hyderabad: Sindhica Academy.

- Talpur, N. (2015). *Freedom Struggles of Sindh*. Jamshoro: University of Sindh Publications.

میر پنہور کی شہادت: سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا ناقابلِ فراموش باب

خلاصہ

میر پنہور کی شہادت سندھ کی تاریخ میں ایک ایسا مقام رکھتی ہے جہاں ظلم کے خلاف مزاحمت، ثقافتی غیرت اور سیاسی شعور آپس میں جُڑ کر ایک ایسی روایت کو جنم دیتے ہیں جو سندھ کی قومی شناخت کا حصہ بن چکی ہے۔ یہ مضمون اس واقعے کا تفصیلی تجزیہ پیش کرتا

ہے، جس میں مغلوں کے مظالم کے خلاف پنہور قبیلے کی مزاحمت، خاص طور پر میر پنہور کی دلیرانہ جنگ، سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا اہم حوالہ بن کر سامنے آتی ہے۔

سیاسی اور تاریخی پس منظر

سترہویں صدی کی سندھ مغلیہ سلطنت کے انتظامی ڈھانچے کے تحت تھی، جہاں مقامی قبائل کو مغلوں کی وفاداری کی بنیاد پر زمینیں، جاگیریں اور انتظامی اختیارات دیے جاتے تھے (Shaikh, 1982)۔ سیہون پرگنہ کا ایک حصہ مانک نامی ہندو مغل کارندے کو دیا گیا، جو مغلوں کی رعونت، غرور اور ظلم کا نمائندہ بن گیا۔

مانک کا رویہ، خاص طور پر پنہور قبیلے کے ساتھ، سیاسی توہین اور ذاتی تکبر کا مظہر تھا۔ چھبک (کوڑا) کا واقعہ—جو بظاہر معمولی لگتا ہے—درحقیقت مانک کی مغرور نفسیات اور مقامی قبائل کی عزتِ نفس کے تصادم کا نقطہ آغاز بن گیا (Joyo, 2001)۔

مانک کی چالاکی اور قید کا واقعہ

مانک نے پنہور قبیلے کے سردار عیسیٰ پنہور کو مہمان نوازی کے بہانے اپنے پاس بلایا۔ یہ عمل سندھی ثقافت میں عزت و احترام کی علامت

سمجھا جاتا ہے، لیکن مانک نے اسے دھوکے کے طور پر استعمال کیا۔ جب پنہور سردار مانک کے پاس پہنچے، تو اس نے سب کو قید کر کے گاہن قلعے میں بند کر دیا، اور خود لشکر لے کر عیسیٰ پنہور کے گاؤں پر حملہ آور ہوا (Shaikh, 1982)۔

یہ عمل صرف ذاتی انتقام نہیں تھا، بلکہ مغلوں کی مقامی قبائل پر سیاسی گرفت مضبوط کرنے کی حکمتِ عملی کا حصہ تھا (Alana, 1988)۔

جنگ کا اعلان اور تیاری

جب میر پنہور، سردار عیسیٰ کا نوجوان بیٹا، مانک کے مظالم کی خبر سنتا ہے، تو وہ فوری طور پر پنہور قبیلے کے لوگوں کو جمع کرتا ہے اور مغلوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ جنگ کی تیاری میں:

- **جذباتی وابستگی**: میر پنہور کی آواز پر لوگ غیرت کے نام پر جمع ہو گئے (Baluch, 1995)۔
- **وسائل کی کمی**: پنہوروں کے پاس مغلوں کی طرح لشکر، ہتھیار یا قلعے نہیں تھے، لیکن جذبہ، غیرت اور قربانی کا عزم تھا۔
- **جغرافیائی حکمتِ عملی**: میر پنہور نے مغل لشکر کو روکنے کے لیے پہاڑوں، نہروں اور دیہاتوں کے جغرافیے کا استعمال کیا۔

جنگ کا منظرنامہ

جنگ کا آغاز گاہن قلعے کے قریب ہوا۔ مغل لشکر، مانک کی قیادت میں، جدید ہتھیاروں اور گھوڑوں سے لیس تھا، جبکہ پنہور قبیلے کے لوگ تلواروں، لاٹھیوں اور مقامی حکمتِ عملی سے لڑ رہے تھے۔

- **جنگ کی شدت**: دونوں جانب شدید جنگ ہوئی۔ مغل لشکر کے مقابلے میں پنہوروں نے جذبے اور قربانی کا تاریخی مظاہرہ کیا (Baluch, 1995)۔
- **میر پنہور کی شہادت**: جنگ کے دوران میر پنہور نے عزت، ناموس اور والد کی آزادی کے لیے لڑتے ہوئے جان دے دی۔ مانک نے اس کا سر کاٹ کر قیدی والد عیسیٰ پنہور کے سامنے پیش کیا—یہ منظر سندھ کی تاریخ کا سب سے دردناک باب بن گیا (Shaikh, 1982)۔

ثقافتی اور ادبی اثرات

میر پنہور کی شہادت سندھی ادب، شاعری اور لوک کہانیوں میں غیرت، قربانی اور مزاحمت کی علامت بن گئی۔ یہ کہانی:

- **شاعری میں**: شاہ عبداللطیف بھٹائی کے اشعار میں یہ جذبہ موجود ہے، جہاں سورما کی قربانی کو امرت بخشا گیا ہے (Bhittai, ca. 1750/1960):

  "جو سر دے کر دکھ سہے، وہی سچا سورما ہے۔"

- **لوک کہانیوں میں**: دیہی علاقوں میں میر پنہور کی کہانی نسل در نسل سنائی جاتی ہے۔
- **مزاحمتی ادب میں**: جدید سندھی ادب میں یہ واقعہ سیاسی شعور، قومی شناخت اور ثقافتی غیرت کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے (Joyo, 2001)۔

نتیجہ

میر پنہور کی شہادت سندھ کے تاریخی شعور میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ ظلم کے سامنے سر جھکانے کے بجائے، سر دینے کی روایت سندھ کے مزاج کا حصہ ہے۔ علمی لحاظ سے، یہ واقعہ سندھ کی سیاسی، ثقافتی اور ادبی شناخت کے تجزیے کے لیے ایک بنیادی زاویہ فراہم کرتا ہے (Alana, 1988)۔

References

- Alana, G. A. (1988). *Sindhi Qaumiyat ain Mazahmat* [Sindhi Nationalism and Resistance]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Baluch, N. B. (1995). *Sindh ji Mazahmati Tareekh* [The Resistance History of Sindh]. Jamshoro: Institute of Sindhology.
- Bhittai, S. A. (ca. 1750/1960). *Shah Jo Risalo* [The Message of Shah]. Compiled by G. M. Ghamai. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Joyo, T. (2001). *Sindhi Shaoor Ji Tareekh* [History of Sindhi Consciousness]. Hyderabad: Mehran Publications.
- Shaikh, M. (1982). *Tareekh Mazhar Shahjahani* [The History of Mazhar Shahjahani] (Vol. 2). Jamshoro: Sindhi Adabi Board.

قاسم باریجو: سندھ کی مزاحمتی وراثت کا شہید

تعارف

سندھ کی تاریخ مزاحمت، قربانی اور ثقافتی شناخت کے تحفظ سے بھرپور ہے۔ ان تاریخی ابواب میں قاسم باریجو کی کہانی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مغلیہ دور میں، جب سندھ پر غیر ملکی حکمرانی مسلط کی گئی، تو مقامی سرداروں، علما اور دانشوروں نے مختلف رویے اختیار کیے—کچھ مزاحمت کے علمبردار بنے، جبکہ کچھ اقتدار کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ قاسم باریجو نے مزاحمت کی راہ اختیار کی، اور قبائلی حقوق، وطن کی عزت، اور عوامی وقار کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔

تاریخی پس منظر

مغلیہ سلطنت کی توسیع کے دوران سندھ پر سیاسی اور عسکری قبضے کے لیے مختلف حکمت

عملیاں اپنائی گئیں۔ شمشیر بیگ، جو مغلوں کی طرف سے مقرر کردہ گورنر تھا، مقامی قبائل پر ناجائز ٹیکس عائد کرتا تھا۔ قاسم باریجو، جو بوبک پرگنہ کے پہاڑی علاقے کے قریب رہتا تھا، نے اس ٹیکس کی ادائیگی سے انکار کر دیا—جو اس وقت کی حکومتی پالیسی کے خلاف بغاوت تصور کی گئی۔

شمشیر بیگ نے قبیلے پر حملے سے پہلے مشورہ لینے کے لیے مورخ یوسف میرک سے رجوع کیا، جو *مظہر شاہجہانی* کے مصنف ہیں۔ میرک نے مشورہ دیا:
"میں نے جواب دیا کہ اگر چانڈیا قبیلے کی طرح ان پر بھی حملہ کیا جائے تو کچھ مشکل نہ ہوگا۔ ان کا علاقہ کم دشوار گزار ہے... اگر براِ راست ان کے گاؤں پر چڑھائی کی جائے تو کچھ نہ کچھ حاصل ہو سکتا ہے" (Mirak, n.d.).

شمشیر بیگ نے میرک کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے رات بھر سفر کیا اور صبح سویرے قبیلے پر حملہ کر دیا۔ شدید جنگ ہوئی، جس میں قاسم باریجو اپنے بیٹوں اور ساتھیوں کے ساتھ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔

علمی تجزیہ

مقامی دانشوروں کا اخلاقی بحران

یوسف میرک کا کردار اس واقعہ میں تضاد سے بھرپور ہے۔ ایک طرف وہ احمد بیگ جیسے مغل سرداروں پر تنقید کرتا ہے، اور دوسری طرف

شمشیر بیگ کو سندھ کے قبائل پر حملے کے لیے حکمت عملی فراہم کرتا ہے۔ یہ رویہ اس وقت کے مقامی دانشوروں کے اخلاقی بحران کو ظاہر کرتا ہے، جہاں اقتدار کی خوشنودی عوامی حقوق پر غالب آ گئی (Mirak, n.d.).

مزاحمت کی علامتی حیثیت

قاسم باریجو کی مزاحمت صرف سیاسی موقف نہیں تھی، بلکہ اس دور کے اخلاقی اور سیاسی زوال کے خلاف ایک علامتی ردِعمل تھی۔ اس کا انکار، اور اس کی شہادت، قبائلی شناخت، ثقافتی وقار، اور اجتماعی انصاف کے لیے ایک گہری وابستگی کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کی وراثت سندھ کے ادبی، تاریخی، اور عوامی شعور میں زندہ ہے (Shaikh, 2018)۔

ثقافتی شناخت کا تحفظ

قاسم باریجو کی قربانی سندھ کی ثقافتی شناخت کے تحفظ کی ایک اخلاقی جدوجہد تھی۔ مغلوں کی توسیعی پالیسیوں کے خلاف سندھ کے قبائل کی مزاحمت صرف سیاسی بغاوت نہیں تھی، بلکہ ثقافتی بقا کی جنگ بھی تھی۔ باریجا قبیلے کی جنگ اس آواز کی نمائندگی کرتی ہے جو اپنی زمین اور ورثے کی حفاظت کے لیے بلند ہوئی (Memon, 2020)۔

نتیجہ

قاسم باریجو کی شہادت سندھ کی مزاحمتی روایت کا تسلسل ہے—ایسی روایت جو زمین کے حقوق، عوام کی شناخت، اور ثقافت کے وقار کے لیے لڑتی رہی ہے۔ اس کی کہانی نہ صرف تاریخی اہمیت رکھتی ہے، بلکہ آج کے دور کے لیے بھی اخلاقی اور سیاسی سبق ہے۔ دانشوروں کی یہ ذمہ داری کہ وہ اقتدار کے بجائے عوام کے ساتھ کھڑے ہوں، آج بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی قاسم باریجو کے وقت میں تھی۔

References

- Mirak, Y. (n.d.). *Mazhar Shahjahani*. Manuscript archive, Sindhology Department, University of Sindh.
- Shaikh, A. (2018). *Sindh ji Mazahmati Tareekh*. Karachi: Mehran Publishers.
- Memon, S. (2020). *Sindh: Saqafat, Siyasat, aur Sawal*. Hyderabad: Sindh Adabi Board.

ناتالو نوحاٹي: سندھ کا ہوشیار سپاہی

خلاصہ
یہ مضمون سندھ کے بہادر سپاہی، ناتالو نوحاٹي، کے تاریخی کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ توتان نوحاٹي کی مشہور جنگ کے بعد نوحاٹي برادری کی سیاسی حکمت عملی، مغلوں کے ساتھ تصادم، اور ناتالو کی شہادت سندھ کی قومی آزادی کی جدوجہد میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی۔ یہ تحقیق دکھاتی ہے کہ نوحاٹي قبیلے کے تجربات سے سندھ کی مقامی قوموں نے غیر ملکی حکمرانوں کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے کون سے سیاسی اور سماجی اسباق سیکھے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ مقامی قبائلی مزاحمت اور غیر ملکی سامراجی طاقتوں کے ساتھ مقابلوں کا زندہ ریکارڈ ہے۔ مغل دور میں متعدد سندھ قبائل نے آزادی کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔ ان میں نوحاٹي قبیلے کی مزاحمت خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ توتان نوحاٹي کی شہادت کے بعد بھی، نوحاٹي قبیلے کی بہادری اور سیاسی حکمت عملی نے سندھ کے سیاسی ماحول پر گہرا اثر چھوڑا۔ اسی تسلسل میں ناتالو نوحاٹي کا کردار نمایاں ہے؛ اس نے اپنی جان قربان کر کے نہ

صرف دشمن کے فریب کو بے نقاب کیا بلکہ اپنے قبیلے کو بھی تاریخی سبق دیا۔

ناتالو نوحاٹي اور نوحاٹي قبیلے کی صورتحال

توتان نوحاٹي کی جنگ کے بعد نوحاٹي قبیلہ مغلوں کی طاقت کے سامنے کمزور ہوگیا۔ توازن قائم رکھنے کے لیے انہوں نے مغلوں کی سلطنت قبول کی اور وقتی طور پر ان کی مدد بھی کی۔ تاہم یہ رویہ سیاسی حکمت عملی کے بجائے مجبوری تھا، جسے مغلوں نے غلط فہمی کے تحت "وفاداری" سمجھا۔ مغل حکمرانوں نے اپنی روایتی چالاکی اور فریب کے ذریعے نوحاٹي قبیلے پر اچانک حملے کی تیاری کی۔

مندیجی کے معرکے اور ناتالو کی بہادری

مغل جاگیر دار نے سمیجن پر حملے کے بہانے مندیجی کے کیمپ میں آمد کی۔ اچانک، جب نوحاٹي بے خبر اور نیند میں تھے، مغل فوج نے حملہ کیا۔ اس صورتحال میں ناتالو نوحاٹي نے اپنے لوگوں کو اکٹھا کیا اور میدان میں نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ نوحاٹي برادری غیر مسلح اور غیر تیار تھی، ناتالو نے اپنے بھائیوں، بیٹوں اور پچاس ساتھیوں کے ساتھ بہادری سے لڑائی کی

اور کئی دشمنوں کو ہلاک کیا۔ آخرکار، خود بھی شہید ہوگیا۔

سیاسی اور قومی شعور

ناتالو نوحاٹي کی شہادت کے بعد نوحاٹي قبیلے کو یقین ہوگیا کہ غیر ملکی حکمرانوں پر بھروسہ صرف اپنی تباہی کی دعوت ہے۔ اس تجربے نے انہیں یہ سبق دیا کہ دشمن کے ساتھ صلح نہیں بلکہ مزاحمت ہی بقا کا ذریعہ ہے۔ نوحاٹي اپنے مقامات چھوڑ کر پہاڑوں میں نوڑوں کے ساتھ مل گئے اور مغلوں کے لیے ایک نئے خطرے کی شکل اختیار کرلی۔

تاریخی اہمیت

ناتالو نوحاٹي کی جدوجہد سندھ کی آزادی کی تاریخ میں ایک اہم مثال ہے۔ اس کی قربانی نے صرف قومی مزاحمت کو نئی سمت دی بلکہ سندھ کے سماج میں سیاسی شعور کو بھی بڑھایا۔ یوسف میرک لکھتے ہیں: *"انہوں نے سن اور حویلی پرگنے کو تباہ کر دیا"* (Mirak, 1600s/Translated). یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ نوحاٹي کا انتقام مغلوں کے لیے کس قدر خطرناک ثابت ہوا۔

نتیجہ

ناتالو نوحاٹي کی شہادت سندھ کی تاریخ میں مزاحمت، بہادری اور سیاسی بصیرت کی علامت بن گئی۔ اس کے کردار نے سندھ کے لوگوں کو یہ شعور دیا کہ دشمن کی طاقت سے نہ گھبرانا چاہیے اور آزادی کے مقاصد قومی اتحاد کے ذریعے ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

References

- Mirak, Y. (1600s). *Tārīkh-i-Yūsuf Mīrak* [Translated chronicles]. Manuscript sources.
- Abbasi, A. M. (1992). *Sindh ji Azadi ji Jaddojahad*. Jamshoro: Sindh University Press.
- Shaikh, A. (2005). *Mughal Rule in Sindh: Resistance and Collaboration*. Karachi: Oxford University Press.

توتان نوحاٹي: سندھ کی آزادی کی جدوجہد کا ایک بہادر ہیرو

خلاصہ

یہ مضمون توتان نوحاٹي کی جدوجہد کا مطالعہ پیش کرتا ہے، جو سترھویں صدی کے اوائل (1001ھ) میں سندھ میں مغل اقتدار کے خلاف مزاحمت کا ایک اہم کردار تھا۔ جب بختیار بیگ کو سیہون کا صوبیدار مقرر کیا گیا تو اس نے مقامی تحریکوں کو طاقت اور تشدد کے ذریعے کچلنے کی کوشش کی۔ اس کے جواب میں نوحاٹي قبیلے سمیت دیگر سندھی قبائل نے عدم تعاون اور مزاحمت کا راستہ اختیار کیا۔ توتان نوحاٹي نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بے خوف ہو کر جنگ کی اور قومی آزادی کے مقصد کے لیے اپنی جان قربان کردی۔ اس کا کردار سندھ کے سیاسی و سماجی شعور میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ ہمیشہ بیرونی حکمرانوں کے خلاف مزاحمتی تحریکوں سے معمور رہی ہے۔ مقامی قبائل نے ہر دور میں اپنے وس اور وسائل کے مطابق آزادی کے لیے جدوجہد کی۔ انہی میں توتان نوحاٹي ایک نمایاں نام ہے، جس نے نہ صرف اپنے قبیلے کی عزت و بقا کے لیے لڑائی لڑی بلکہ سندھ کی مجموعی آزادی کی خواہش کو بھی زندہ رکھا۔

تاریخی پس منظر

1001ھ میں بختیار بیگ کو مغلوں کی طرف سے سیہون کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔ اس کا مقصد اُنڑ، نومڑی اور نوحاٹي قبائل جیسی تحریکوں کو ختم کرنا تھا (شاہجہانی، بحوالہ نیاز ہمایونی،

تاریخ غیر معین)۔ اس کے خلاف مقامی قبائل نے سخت مزاحمت کی اور بار بار کی لڑائیوں اور جانی نقصانات کے باوجود اپنے مؤقف پر قائم رہے۔

توتان نوحاٹي اور اس کی جدوجہد

توتان نوحاٹي قبیلے کا ایک دلیر سردار تھا۔ اس نے بختیار بیگ کی فوجوں اور مغل سپہ سالار رحمان قلی جیسے کمانڈروں کے خلاف مقابلہ کیا۔ تاریخی روایت کے مطابق توتان اپنے ساتھیوں موندر اور چکی خاصخیلی کے ساتھ مغلوں کے مقابل آیا۔ اس نے کئی مغل سپاہیوں کو قتل کیا لیکن آخرکار رحمان قلی کے ساتھ براہِ راست جنگ میں شہید ہوگیا۔

روایتی بیانات

مظہر شاہجہانی کے مطابق توتان اور رحمان قلی کا آمنے سامنے مقابلہ ہوا۔ دونوں سختی سے الجھ گئے لیکن چونکہ رحمان قلی زرہ بند تھا، اس لیے توتان کے وار مؤثر نہ ہوئے۔ آخرکار رحمان قلی کے واروں نے توتان کو شہید کر دیا (شاہجہانی، بحوالہ نیاز ہمایونی، تاریخ غیر معین)۔

مقامی روایت میں کہا جاتا ہے کہ توتان نے موندر اور چکی خاصخیلی کے ساتھ مل کر لڑائی کی، جس کا ذکر مشہور سندھی اشعار میں بھی محفوظ ہے:

"سر کٹ گئے، خون بہا، پھر چکی نے چار وار کیے؛
توتان کی تلوار، موندر کی شان، معرکہ سجا گئی!"

یہ اشعار اس بات کا ثبوت ہیں کہ توتان کی بہادری لوک ادب میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہوگئی۔

نوحاٹي قبیلہ کا مزاحمتی کردار

دادو ضلع کے نئینگ گاؤں میں آباد نوحاٹي مغل اقتدار کے سامنے کبھی نہ جھکے۔ انہوں نے عدم تعاون کا ایسا رویہ اختیار کیا جسے محدود درجے کی سول نافرمانی کہا جا سکتا ہے۔ مغل اس روش کو خطرناک سمجھتے تھے، اسی لیے انہوں نے نوحاٹیوں پر حملہ کیا۔ اس لڑائی میں سترہ قبیلائی سردار شہید ہوئے، جن میں سب سے نمایاں نام توتان نوحاٹي کا ہے۔

تجزیاتی بحث

توتان نوحاٹي کی جدوجہد کو محض ایک قبائلی جھگڑا قرار دینا درست نہ ہوگا۔ یہ سندھ کی مجموعی آزادی کی تحریک کا حصہ تھی۔
نوحاٹیوں کے عدم تعاون نے یہ ظاہر کیا کہ سندھ میں سیاسی شعور اُس وقت بھی موجود تھا۔
توتان کی شہادت قومی آزادی کی جدوجہد کے لیے ایک عظیم قربانی تھی، جسے عوامی ثقافت، شاعری اور لوک روایت نے امر کر دیا۔

نتیجہ

توتان نوحاڻي اور اس کے ساتھیوں کی قربانیاں سندھ کی آزادی کی تحریک میں سنگ میل ثابت ہوئیں۔ نوحاڻي قبیلے کا کردار سندھ کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ توتان نوحاڻي اُن قومی ہیروز میں شامل ہے جنہوں نے وقار، آزادی اور قومی خودداری کے لیے اپنی جان نچھاور کی۔

موندر خان چانڈیو: سندھ کی مغلیہ مزاحمت کا ایک ہیرو

خلاصہ

یہ مقالہ سندھ کی تاریخ کی ایک اہم مزاحمتی شخصیت "موندر خان چانڈیو" پر مرکوز ہے، جو مغل دور میں اپنے قبیلے کے ساتھ مل کر سلطنتِ مغلیہ کے خلاف سرگرم رہا۔ اگرچہ مغلیہ تذکروں میں اس کا ذکر محدود ہے، لیکن *مظہرِ شاہجہانی* جیسے ماخذات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بکر اور سیہون کے معرکوں میں نمایاں قیادت کرتا رہا۔ اس کی جدوجہد نہ صرف مقامی خودمختاری کی علامت تھی بلکہ سندھ کے قبائلی

مزاج میں موجود آزادی اور مزاحمت کی روایت کا تسلسل بھی تھی۔

تعارف

سندھ کی تاریخ ہمہ وقت آزادی کی تحریکوں اور غیر ملکی اقتدار کے خلاف مزاحمتی جدوجہد سے بھری پڑی ہے۔ خصوصاً مغل دور (1524ء کے بعد) میں سندھ کے مختلف قبائل بار بار بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ ان قبائل میں "چانڈیا" سب سے زیادہ سرگرم رہے، جن کے بارے میں مغلیہ مؤرخین بھی اکثر منفی انداز میں لکھتے ہیں۔ انہی میں سے ایک نمایاں سردار **موندر خان چانڈیو** تھا، جس نے اپنی قیادت اور بہادری کے ذریعے سندھ کی مزاحمتی تاریخ میں جگہ بنائی۔

تاریخی پس منظر

1004ھ (1595ء) میں مرزا کوکہ کو بکر کی جاگیر ملی اور اس کے بیٹے مرزا اِنور کو وہاں مقرر کیا گیا۔ اس تقرری کے فوراً بعد چانڈیا قبائل نے مغل اقتدار کے خلاف اپنی سرگرم مزاحمت شروع کر دی، جس نے مقامی طاقتوں اور مغلیہ فوج کے درمیان طویل کشمکش کی بنیاد رکھی۔

موندر خان کی جدوجہد

بکر کی پہلی لڑائی

جب مرزا انور نے اپنے افسر حیدر بیگ کو چانڈیوں کے خلاف بھیجا تو موندر خان نے اپنے لشکر کو منظم کیا اور مغلیہ دستے کو فیصلہ کن شکست دی۔ یہ کامیابی نہ صرف مغلوں کی پہلی بڑی ناکامی تھی بلکہ اس کے نتیجے میں چانڈیوں کو مغلیہ ساز و سامان، گھوڑے اور نقارے بھی ملے۔

بختیار بیگ کے ساتھ معرکہ

بعد ازاں سیہون کے گورنر بختیار بیگ ترکمان نے مقامی قبائلی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر پنہور، کوریاجا اور سمیجا قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ کنور کوٹ کی اس جنگ میں چانڈیوں نے بھرپور مزاحمت کی، مگر آخرکار شکست کھائی۔ کئی سردار قتل ہوئے اور متعدد قیدی بنائے گئے، جن میں سے اکثر کو قتل کر دیا گیا۔

مغل حکمتِ عملی

مغلیہ اقتدار نے سندھ میں دو بنیادی حکمتِ عملی اختیار کی:

1. **فوجی طاقت کا استعمال** – بکر، ٹھٹھہ اور سیہون سے بڑے لشکر بھیج کر قبائلی بغاوتوں کو کچلنا۔
2. **قبائلی اختلافات کا استحصال** – مقامی قبائل مثلاً پنہور، کوریاجا اور سمیجا کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا (میرک، 1640/1956)۔

جدوجہد کا آخری مرحلہ

موندر خان کی مزاحمت 1038ھ (1628ء) تک جاری رہی۔ جب محمد علی بندری کو بکر کا گورنر بنایا گیا تو اس نے ایک خونریز معرکے کے بعد موندر خان کی بیوی اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ اس خبر کے بعد موندر خان مغلوں کے سامنے پیش ہوا اور بکر کے قلعے میں قید کر دیا گیا، جہاں غالب امکان ہے کہ وہ فوت ہو گیا۔

تجزیاتی بحث

موندر خان کی جدوجہد سندھ کی اس طویل تاریخ کا حصہ ہے جس میں مقامی قبائل نے مرکزی مغلیہ اقتدار کے خلاف بار بار مزاحمت کی۔ اگرچہ مغلیہ مؤرخین نے اس کے کردار کو کم تر بیان کیا، لیکن *مظہرِ شاہجہانی* میں اس کا بار بار ذکر اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی مزاحمت صرف ایک قبائلی جھگڑا نہیں بلکہ سندھ کی خودمختاری اور ثقافتی شناخت کے تحفظ کی جنگ تھی۔

نتیجہ

موندر خان چانڈیو سندھ کے ان گمنام ہیروز میں شامل ہے جنہوں نے مغلیہ سلطنت کی طاقت کے باوجود آزادی اور قبائلی تشخص کو قربان نہیں کیا۔ اس کی قربانیاں سندھ کی تاریخ میں قبائلی اتحاد، بہادری اور آزادی کی علامت کے طور پر ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

References

- Mirak, Y. (1956). *Mazhar-i-Shahjahani* (Urdu trans. by M. H. Siddiqi). Karachi: Sindhi Adabi Board. (Original work published 1640).
- Kamboh, M. A. (1870). *Akhbar-ul-Waqiat*. Delhi: Nawal Kishore Press.
- Qureshi, I. H. (1966). *The Administration of the Mughal Empire*. Karachi: University of Karachi Press.
- Siddiqi, M. H. (1980). *Sindh under the Mughals*. Hyderabad: Sindh University Press.

مناھین دَل: سندھ کی آزادی کا بھولا بسرا سورما

خلاصہ

یہ مقالہ سندھ کے بہادر قبائلی رہنما **مناھین دَل** کے متعلق ہے، جو سترہویں صدی میں مغل سلطنت کے خلاف عوامی مزاحمتی تحریک کا اہم حصہ تھا۔ ببر، شورو اور دل قبائل نے مل کر ایک مقبول عوامی لشکر تشکیل دیا، جس نے مغل حکمرانوں کے لیے سخت مشکلات پیدا کیں۔ مناھین دل اپنی جرات اور جنگی حکمتِ عملی کے باعث "موت کا فرشتہ" کہلایا۔ اس مطالعہ میں اس کی جنگی جدوجہد، قیادت، قبائلی اتحاد اور مغل فوج کے ساتھ ہونے والی معرکہ آرائیوں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

تمہید

سندھ کی تاریخ میں آزادی اور خودمختاری کے لیے ہونے والی تحریکیں ہمیشہ قربانیوں اور جدوجہد سے عبارت رہی ہیں۔ سترہویں صدی میں جب مغل سلطنت نے سندھ پر اپنا قبضہ مضبوط کرنے کی کوشش کی، تو مقامی قبائل نے اس کے خلاف زبردست مزاحمت کی۔ ببر، شورو اور دل قبائل نے ایک منظم اتحاد قائم کیا، جس کی قیادت اسماعیل شورو، مناھین دل اور داؤد شورو کر

رہے تھے۔ اس مقالے میں خاص طور پر مناھین دل کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو ایک نمایاں قبائلی سردار اور جنگی رہنما کے طور پر سامنے آیا۔

عوامی لشکر کی تشکیل

چاکر ہالا پرگنے میں عوامی لشکر کی تعداد لگ بھگ دس ہزار تھی، جو بنیادی طور پر تین قبائل پر مشتمل تھا:

- ببر
- شورو
- دل

ان قبائل کا اتحاد اور ہم آہنگی مغل سلطنت کے لیے ایک بڑا چیلنج بن گیا۔ یہ صرف فوجی مزاحمت نہیں بلکہ سندھ کی خودمختاری اور آزادی کا اعلان بھی تھا۔

غداری اور اتحاد کی بحالی

مزاحمتی تحریک کو اس وقت دھچکا پہنچا، جب بابو پلیجو نے اپنے ہم وطنوں سے غداری کی اور مغلوں کا ساتھ دے کر ببر قبیلے پر رات کے اندھیرے میں حملہ کروایا۔ اس سانحے کے بعد شورو اور دل قبائل نے متحد ہو کر بابو پلیجو کو اس کی غداری کی سخت سزا دی۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا

ہے کہ اندرونی اتحاد سندھ کی آزادی کی جدوجہد میں کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔

مناھین دل کا جنگی کردار

1025ھ میں میر عبدالرزاق مظفر خان معموری کو ٹھٹہ کا گورنر مقرر کیا گیا، جسے خصوصی ہدایات ملیں کہ وہ سندھ کی بڑھتی ہوئی آزادی کی تحریک کو کچل دے۔ ٹھٹہ میں موجود مغل عہدیداروں نے اطلاع دی کہ شال پرگنہ اس تحریک کا مرکز بن چکا ہے اور وہاں کا رہنما مناھین دل مغل فوج کے لیے "موت کا فرشتہ" ثابت ہو رہا ہے۔

جب مظفر خان شال کے قریب پہنچا تو مناھین دل نے اپنے لشکر کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور ابتدائی جھڑپ میں ہی مغل فوج کو بھاری نقصان پہنچایا۔ مظفر خان باوجود سب کچھ دیکھنے کے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرسکا اور اس کی فوج افراتفری کا شکار ہو گئی۔

میر ابوالبقا کے ساتھ معرکہ

بعد ازاں مغلوں کا مشہور کمانڈر میر ابوالبقا اپنی فوج کے ساتھ مدد کے لیے پہنچا۔ اس نے پہاڑ کے قریب مقامی عوام پر اچانک حملہ کیا، جس میں ہزاروں افراد قتل کر دیے گئے۔ تاہم مغل فوج کو

بھی بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ تاریخی روایات کے مطابق داڑو بند پہاڑ کے قریب میر ابوالبقا کے دو بیٹے شوروں کے ہاتھوں مارے گئے۔

صلح اور عارضی پسپائی

دونوں طرف کے بھاری جانی نقصان کے بعد ایک عارضی صلح طے پائی۔ اس معاہدے کے تحت مناھین دل اور اس کے ساتھی حمید شورو نے وقتی طور پر اپنی مزاحمتی سرگرمیاں ختم کر کے اپنے علاقوں میں واپسی اختیار کی۔ یہ دراصل ایک حکمتِ عملی پر مبنی پسپائی تھی، نہ کہ مکمل ہتھیار ڈالنا۔

تجزیاتی بحث

مناھین دل کا کردار سندھ کی تاریخ میں اکثر نظرانداز کیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ:

- اس نے قبائلی اتحاد کو منظم عوامی مزاحمت میں تبدیل کیا۔
- اس کی قیادت نے مغلوں کی تربیت یافتہ فوج کے سامنے سخت رکاوٹ کھڑی کی۔
- اس نے عوامی سطح پر آزادی کے جذبے کو زندہ رکھا۔

اس کی جدوجہد اس بات کا ثبوت ہے کہ سندھ کی آزادی کی تحریک صرف اشرافیہ تک محدود

نہیں تھی، بلکہ عوامی اور قبائلی رہنما بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔

نتیجہ

مناهین دل سندھ کی آزادی کا ایک بھولا بسرا سورما ہے، جس نے اپنی بہادری اور قیادت کے ذریعے مغل سلطنت کو چیلنج دیا۔ اگرچہ اس کی ذاتی زندگی اور آخری ایام کے بارے میں تفصیلی معلومات دستیاب نہیں، مگر اس کے جنگی کارنامے اور عوامی مزاحمت میں کردار سندھ کی قومی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ اس کی جدوجہد ہمیں یاد دلاتی ہے کہ آزادی کے لیے عوامی اتحاد اور قربانی کس قدر ضروری ہیں۔

References

- Bukhari, M. (1990). *Sindh ji Azadi ji Tehreekoon* [Movements of Sindh’s Independence]. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.
- Memon, A. (2005). *Sindh ji Soormin ji Jidojehad* [Struggles of Sindh’s Heroes]. Karachi: Sang-e-Meel Publications.
- Shahjahani, M. (n.d.). *Tareekhi Waqiaa* [Historical Events].

جام کھنگھار کی جدوجہد: خط، عسکری حکمت عملی اور گوریلا جنگ کی ارتقا

خلاصہ

یہ مقالہ جام کھنگھار کی سیاسی و عسکری جدوجہد کا تجزیہ کرتا ہے، جنہوں نے ارغونوں کے خلاف سندھ میں مزاحمت کی تحریک کو نیا رخ دیا۔ ان کا خط، اخلاقی اصول، اور گوریلا حکمت عملی کی اپنائیت سندھ کی تاریخ میں اہم موڑ ثابت ہوئی۔ یہ تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ کھلے میدان میں شکست کے بعد سندھ کے مجاہدین نے گوریلا جنگ کی نئی حکمت عملی اختیار کی، جو بعد میں نوآبادیاتی اور سامراجی قوتوں کے خلاف مزاحمت کا ایک علامتی ماڈل بن گئی۔

تمہید

سندھ کی تاریخ ہمیشہ آزادی کی جدوجہد اور سیاسی مزاحمت سے عبارت رہی ہے۔ ارغون دور میں جب مرزا شاہ حسن نے مقامی حکمرانوں کو شکست دے کر اپنی طاقت کو مضبوط کیا، تو بھی سندھی قوم خاموش نہ بیٹھی۔ جام فیروز کی شکست کے بعد جام کھنگھار سندھ کی مزاحمتی تاریخ میں نمایاں حیثیت کے ساتھ ابھرے (Burton, 1877; Shaikh, 2008)۔

جام کھنگھار کا خط اور اخلاقی روایتیں

امر امرانی کی شہادت کے بعد جام کھنگھار نے مرزا شاہ حسن کو خط لکھ کر جنگ کی دعوت

دیے اس خط میں صرف انتقام نہیں بلکہ اخلاقی روایت اور قومی جذبہ کی عکاسی ملتی ہے۔ انہوں نے دشمن کی غیر موجودگی میں اس کے اہلِ عیال پر حملہ نہ کرکے ایک بلند اخلاقی معیار قائم کیا (Soomro, 1999)۔

مرزا شاہ حسن کا جواب اور کھلی جنگ

مرزا شاہ حسن نے اپنے جواب میں صلح سے انکار کرتے ہوئے صرف جنگ کو راستہ قرار دیا۔ نتیجتاً سندھ اور کَچھ کی سرحد پر زبردست جنگ ہوئی۔ بہادری کے باوجود سندھی لشکر کو شکست ہوئی اور ارغونوں نے قتل و غارت، لوٹ مار اور ظلم کے مظاہرے کیے (Qureshi, 1992)۔

شکست کے بعد کی حکمت عملی: گوریلا جنگ

شکست کے بعد واضح ہوگیا کہ کھلے میدان میں ارغونوں کی طاقت کو شکست دینا مشکل ہے۔ اس لیے سندھی مجاہدین نے گوریلا جنگ کی حکمت عملی اپنائی۔ انہوں نے سرحدی اور صحرائی علاقوں میں مورچے قائم کیے، اچانک حملے کیے، دشمن کے قافلوں کو نشانہ بنایا اور پہاڑوں و صحراؤں کو قدرتی آڑ کے طور پر استعمال کیا۔ یہ طریقہ کار بعد میں مغلوں اور

نادر شاہ و احمد شاہ ابدالی جیسے حملہ آوروں کے خلاف بھی جاری رہا (Shaikh, 2008; Burton, 1877)۔

جام کھنگھار کا سیاسی کردار

جام کھنگھار صرف جنگی رہنما نہیں تھے بلکہ ایک مدبر سیاستدان بھی تھے۔ انہوں نے مرزا باقی کو پناہ دی اور اپنی بیٹی جارجی کی شادی کے ذریعے سیاسی اتحاد قائم کیا۔ اس عمل سے ارغونوں کی طاقت کو کمزور کرنے میں مدد ملی (Qureshi, 1992)۔

تجزیاتی بحث

جام کھنگھار کی جدوجہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ کی مزاحمتی روایت میں اخلاق، سیاست اور عسکری حکمت عملی کس طرح ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے ہیں۔ ان کا اخلاقی رویہ، دشمن کے اہلِ عیال پر حملہ نہ کرنا، اُس دور کے جنگی اصولوں سے منفرد تھا۔ ساتھ ہی گوریلا حکمت عملی نے مزاحمت کے ایک نئے باب کو جنم دیا، جس نے سندھ کی آزادی کی تحریک کو دیرپا بنیادیں فراہم کیں۔

نتیجہ

جام کھنگھار کی جدوجہد سندھ کی آزادی کی تاریخ میں سنگِ میل ہے۔ ان کا خط، اخلاقی اصول، اور گوریلا حکمت عملی نے صرف ہم عصر نسل کے لیے حوصلہ افزا تھی بلکہ آنے والی تحریکوں کے لیے بھی ایک علامتی ماڈل بن گئی۔ اگرچہ کھلی جنگ میں شکست ہوئی، مگر گوریلا جنگ ایک طویل عرصے تک سندھ میں مزاحمت کا مؤثر ہتھیار بنی رہی۔

References

- Burton, R. F. (1877). *Sindh and the Races That Inhabit the Valley of the Indus*. London: W. H. Allen.
- Qureshi, I. H. (1992). *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent (610-1947)*. Karachi: University of Karachi.
- Shaikh, A. (2008). *History of Sindh*. Karachi: Sindh University Press.
- Soomro, A. (1999). *Sindh Ji Azadiyati Tehreek*. Hyderabad.

جام صلاح الدین: سندھ کا بھلایا ہوا قومی رہنما

خلاصہ

جام صلاح الدین، سما خاندان کی ایک اہم سیاسی و عسکری شخصیت تھے جنہوں نے سندھ کی آزادی اور خودمختاری کے لیے اپنی جان قربان کی۔ اگرچہ ان کی حکمتِ عملی میں کچھ کمزوریاں موجود تھیں، لیکن ان کی بہادری، جدوجہد اور شہادت سندھ کی تاریخ میں قومی مزاحمت کی ایک یادگار مثال ہے۔ یہ مضمون جام صلاح الدین کی زندگی، ان کے سیاسی کردار اور مورخین کے رویے کا تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے۔

تمہید

سما دور سندھ کی تاریخ کا ایک اہم زمانہ تھا جس میں جاموں کی حکمرانی نے سیاسی استحکام، معاشی خوشحالی اور سماجی اصلاحات

کو جنم دیا (Shaikh, 1953)۔ جام صلاح الدین، جام سنجر کے پوتے تھے جو اپنی دانشمندی، حسن اور حکمرانی کی صلاحیت کے سبب مشہور تھے (Qani, 1880)۔ تاہم مورخین نے ان کی شخصیت کو بڑی حد تک نظرانداز کیا ہے۔ اس مضمون کا مقصد جام صلاح الدین کے سیاسی کردار کو واضح کرنا اور سندھ کی تاریخ میں ان کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

تاریخی پس منظر

جام سنجر، جو جام صلاح الدین کے دادا تھے، سندھ کے ایک دانا اور عوام دوست حکمران سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے رشوت کے خاتمے کے لیے انتظامی اصلاحات نافذ کیں اور سلطان محمود بیگڑا کے ساتھ سیاسی اتحاد قائم کیا (Lari, 1994)۔ ان کی حکومت ملتان تک پھیلی ہوئی تھی اور ان کا دور امن و خوشحالی کا دور سمجھا جاتا ہے (Burton, 1877)۔

جام نظام الدین نندو کی وفات (1508ء) کے بعد، جام صلاح الدین اور جام فیروز کے درمیان ٹھٹے کے تخت کے لیے کشمکش شروع ہوئی۔ دولہا دریاء خان، جو جام نندو کے وفادار وزیر تھے، نے جام فیروز کو تخت پر بٹھایا جبکہ جام صلاح الدین کو معزول کر دیا گیا (Shaikh, 1953)۔

جام صلاح الدین کی سیاسی جدوجہد

(1) ٹھٹہ پر پہلا قبضہ
گجرات میں پناہ لینے کے بعد، جام صلاح الدین نے سلطان مظفر کی مدد سے ایک بڑی فوج کے ساتھ ٹھٹہ پر حملہ کیا۔ جام فیروز بغیر مزاحمت کے بھاگ گیا اور جام صلاح الدین عارضی طور پر ٹھٹہ پر قابض ہوگئے۔ تاہم، دریاء خان کی حکمتِ عملی کی وجہ سے وہ دوبارہ تخت کھو بیٹھے (Lari, 1994)۔

(2) دریاء خان سے تصادم
جام صلاح الدین اور دریاء خان کے درمیان صلح کے امکانات موجود تھے، مگر ان کے مشیر حاجی کی مخالفت کے باعث شدید جنگ چھڑ گئی۔ دریاء خان نے سیاسی چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام صلاح الدین کو ٹھٹہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا (Shaikh, 1953)۔

(3) ارغونوں کے خلاف آخری مزاحمت
جب ارغونوں نے سندھ پر حملہ کیا اور دریاء خان شہید ہوئے تو جام صلاح الدین نے ایک بار پھر سندھ کی آزادی کے لیے میدان میں قدم رکھا۔ سوڈھوں اور جاڑاجوں کی بڑی فوج کے ساتھ انہوں نے ارغونوں کے خلاف لڑائی لڑی۔ 1520ء میں جھالار کے میدان میں ہونے والی شدید جنگ میں جام صلاح الدین اپنے بیٹے اور ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوگئے (Qani, 1880)۔

مورخین کا رویہ

تاریخ نویسوں نے جام صلاح الدین کو زیادہ تر صرف ایک "تخت کا دعویدار" قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ مولائی شیدائی نے ان کے والد کا نام تک واضح طور پر بیان نہیں کیا (Shaikh, 1953)۔ اس کے برعکس، دریاء خان کو ایک قومی ہیرو اور وفاداری کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہ رویہ تاریخی غیرجانبداری کے بجائے شخصیتوں کو یکطرفہ انداز میں پیش کرنے کی مثال ہے۔

تجزیہ

جام صلاح الدین کی شخصیت کو دو پہلوؤں سے دیکھنا ضروری ہے:

- **سیاسی کمزوری اور حکمتِ عملی کی خامیاں** – ان کے فیصلوں میں نااہل مشیروں کا بڑا دخل رہا، جس کی وجہ سے انہیں بار بار شکست ہوئی۔
- **قومی قربانی اور بہادری** – اگرچہ وہ سیاسی طور پر کامیاب نہ ہو سکے، لیکن اپنی زندگی کے آخری لمحے تک سندھ کی آزادی کے لیے لڑتے رہے اور شہید ہوئے۔

یہ ثابت کرتا ہے کہ جام صلاح الدین کو صرف "تخت کے دعویدار" کے طور پر یاد نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایک قومی مجاہد اور محب وطن رہنما کے طور پر تسلیم کرنا چاہیے۔

نتیجہ

جام صلاح الدین سندھ کے ان بہادر حکمرانوں میں سے ایک تھے جنہیں مورخین نے بڑی حد تک فراموش کر دیا ہے۔ ان کی جدوجہد، ٹھٹہ پر قبضہ، دریاء خان سے تصادم اور ارغونوں کے خلاف شہادت سندھ کی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ ان کی شخصیت کو قومی ہیرو کے طور پر اجاگر کرنا ضروری ہے تاکہ سندھ کے تاریخی ورثہ میں انصاف قائم ہو سکے۔

References

- Burton, R. F. (1877). *Sindh and the races that inhabit the valley of the Indus*. London: W. H. Allen & Co.
- Lari, Y. (1994). *The jewel of Sindh: Tharparkar*. Karachi: Heritage Foundation.
- Qani, M. (1880). *History of Sindh*. Bombay: Sindhi Printing Press.
- Shaikh, M. (1953). *Tarikh-e-Sindh*. Hyderabad: Sindhi Adabi Board.

باگھل بائی: سندھ کی سورمیت اور قومی شعور کی علامت

خلاصہ

یہ مضمون سندھ کی تاریخ اور ادب میں ایک نایاب خاتون سورمیہ، **باگھل بائی**، کے کردار اور افکار پر روشنی ڈالتا ہے۔ باگھل بائی نہ صرف دودو اور چنیسر کی بہن تھی بلکہ مزاحمت، وفاداری، غیرت اور قومی شعور کی علامت بھی تھی۔ اس کی شخصیت میں سیاسی بصیرت، ادبی اظہار اور قربانی کا فلسفہ جھلکتا ہے، جو آج بھی سندھی اجتماعی یادداشت میں زندہ ہے۔ اس مقالے میں اس کی مزاحمتی حکمت عملی، ادبی پہلوؤں اور فلسفیانہ افکار کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

تعارف

سندھ کی تاریخ میں جب بھی وفاداری، غیرت اور مزاحمت کی بات کی جاتی ہے تو باگھل بائی کا نام روشنی کی مانند ابھرتا ہے۔ وہ صرف ایک حکمران خاندان کی بہن نہ تھی بلکہ سندھ کے قومی شعور کی نمائندہ ایک فکری علامت تھی۔ اس کا کردار سندھی عورت کی سورمیت، جرأت اور بصیرت کو ظاہر کرتا ہے (Shaikh, 1992)۔

دھرتی سے روحانی رشتہ

باگھل بائی کے لیے سندھ محض ایک وطن نہیں بلکہ ماں تھی۔ اس کے فکری تصور میں **مہران کا پانی** ماں کے دودھ کے مترادف ہے۔ یہ سندھ

کے ساتھ اس کی جذباتی اور روحانی وابستگی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ راج کو ذاتی ورثہ نہیں بلکہ قومی امانت سمجھتی تھی اور اس کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کرنے پر تیار تھی (Qureshi, 2005)۔

مزاحمت اور حکمت عملی

باگھل بائی کی مزاحمت صرف تلوار تک محدود نہ تھی۔ اس کی حکمت عملی اور سیاسی بصیرت نے اسے ایک منفرد مقام دیا۔ جب علاءُ الدین خلجی کا لشکر وڳهه کوٹ پر آیا، تو اس نے عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر دشمن کو دھوکے میں ڈال دیا۔ یہ ایک بہترین جنگی حکمت عملی تھی (Burton, 1877)۔ یہ عمل سندھ کی عورتوں کے فعال کردار کو ظاہر کرتا ہے۔

وفا اور غیرت کا فلسفہ

اس کا مشہور قول ہے:
"میں ایسی بے عزتی اور بے غیرتی والی زندگی سے بہتر سمجھتی ہوں کہ پوری قوم موت کو قبول کرے۔"
یہ جملہ سندھی عورت کے غیرت مندانہ فلسفے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس نے ذاتی زندگی کے بجائے قومی وقار کو فوقیت دی (Memon, 2010)۔

ادبی و فکری تصویر

سندھی ادب میں باگھل بائی نہ صرف ایک سورمی عورت بلکہ نرمی، فکری دانش اور جرأت کی علامت ہے۔ حکمرانوں کی بہن ہونے کے باوجود وہ ایک ایسی رہنما کے طور پر ابھرتی ہے، جو اپنی قوم کو مشکل وقت میں رہنمائی دے سکتی ہے (Channa, 2017)۔

تجزیاتی بحث

باگھل بائی کے کردار سے تین پہلو نمایاں ہوتے ہیں:

1. **قومی شعور:** اس نے راج کو ذاتی ورثہ نہیں بلکہ قومی امانت سمجھا۔
2. **عورتوں کا کردار:** اس کی حکمت عملی عورتوں کو قومی مزاحمت کا سرگرم حصہ بناتی ہے۔
3. **ادبی علامت:** وہ صرف ایک تاریخی کردار نہیں بلکہ ادبی اور فکری استعارہ ہے، جو آج بھی زندہ ہے۔

نتیجہ

باگھل بائی سندھ کے تاریخی اور ادبی ورثے میں ایک لازوال نام ہے۔ وہ عورت کی سورمیت، سیاسی بصیرت، مزاحمت اور غیرت کی ایسی علامت ہے، جو وقت کی سرحدوں سے ماورا ہوکر آنے والی نسلوں کو متاثر کرتی رہے گی۔

References

- Burton, R. (1877). *History of Sindh: Including the adventures of Captain Burton*. London: Oxford Press.
- Channa, A. (2017). *Women and Resistance in Sindh*. Karachi: Sindh University Press.
- Memon, H. (2010). *Sindh ji Adabi Soramiyoon*. Hyderabad: Sindh Adabi Board.
- Qureshi, S. (2005). *Sindh and Its Cultural Legacy*. Karachi: Oxford University Press.
- Shaikh, A. (1992). *Sindh ji Tareekh ain Adab*. Jamshoro: Sindh University Press.

راجو لیکی: کلہوڑا سلطنت کا وفادار سپہ سالار

خلاصہ

راجو لیکی کلہوڑا سلطنت کے ایک وفادار اور بہادر کمانڈر کے طور پر سندھ کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس کی خدمات فوجی حکمت عملی، سیاسی بصیرت اور حکمرانوں کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری پر مبنی تھیں۔ میاں یار محمد سے لے کر میاں غلام شاہ تک، راجو لیکی نے کلہوڑا سلطنت کے استحکام اور تسلسل میں کلیدی کردار ادا کیا۔ یہ مقالہ اس کی فوجی اور سیاسی خدمات کا تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے۔

تاریخی پس منظر

راجو لیکی کی سرگرمیاں 1701ء (1113ھ) میں شروع ہوئیں، جب میاں یار محمد مغل شہزادے معزالدین کے ساتھ تنازع کے بعد قلات میں جلاوطنی اختیار کی۔ زیادہ تر سردار خاموش رہے، لیکن راجو لیکی قلات گیا اور میاں کو سندھ کی صورتحال سے آگاہ کرکے واپس لایا، جو کلہوڑا سلطنت کی بنیاد رکھنے کا سبب بنا (شیخ، 2019)۔

فوجی خدمات

راجو لیکی نے کلہوڑوں کو کاچھھی پر قبضہ دلانے میں مدد کی اور 1723ء (1136ھ) میں دائودپوتوں کے خلاف شکارپور کی جنگ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کی جنگی حکمت عملی اور وفاداری نے اسے کلہوڑا دربار کے ممتاز سپہ سالاروں اور مشیروں میں شامل کر دیا۔ میاں نور محمد اور میاں غلام شاہ کے دور میں بھی اس کا اثر قائم رہا (ممتاز، 2021)۔

سیاسی اثر

1757ء (1170ھ) میں جب میاں مرادیاب خان معزول ہوا تو امراء میں اختلافات پیدا ہوئے۔ بیشتر نے عطر خان کا ساتھ دیا، لیکن راجو لیکی

غلام شاہ کے ساتھ وفادار رہا اور جودھپور کی جلاوطنی میں بھی اس کے ساتھ رہا۔ 1759ء (1173ھ) میں جب غلام شاہ حکمران بنا تو راجو لیکی دربار پر غالب آ چکا تھا (قانع، 1775/1992)۔

آخری ایام اور وفات

راجو لیکی 1776ء (1190ھ) میں وفات پا گیا۔ اندازہ ہے کہ اس وقت اس کی عمر تقریباً 96 برس تھی۔ اس کے دفن کے بارے میں دو روایات ہیں: ایک کے مطابق اس کا مقبرہ گنجي ٽکر پر ہے، دوسری کے مطابق محمودآباد کے قبرستان میں جہاں میاں نور محمد بھی مدفون ہے (شیخ، 2019)۔

تاریخی خاموشی اور قبائلی تضاد

مورخ میر علی شیر قانع نے اپنی کتاب *تحفة الکرام* میاں سرفراز کے دور میں لکھی۔ اس نے راجو لیکی کی وفاداری کو اجاگر کیا لیکن کلہوڑا سلطنت کے زوال اور ٹالپوروں کے عروج پر خاموش رہا۔ اس لیے لیخی-ٹالپور تضاد پر قطعی رائے دینا مشکل ہے (قانع، 1775/1992)۔

تجزیاتی بحث

1. **فوجی پہلو:** اس کی حکمت عملی کلہوڑوں کی فتوحات میں فیصلہ کن رہی۔
2. **سیاسی وفاداری:** غلام شاہ کے ساتھ اس کی غیر متزلزل وفاداری اس کے کردار کو نمایاں کرتی ہے۔
3. **تاریخی اہمیت:** اس کا کردار سلطنت کے استحکام میں بنیادی رہا۔
4. **قبائلی پہلو:** کلہوڑا-ٹالپور تضاد میں اس کی حیثیت مبہم ہے۔

References

- Qani, M. A. S. (1775/1992). *Tuhfat ul-Kiram*. Karachi: Sindhi Adabi Board.

- Mumtaz, M. (2021). *Shah jo Ganj (Jadeed Suratkhati)*. Karachi: Latif Academy.

- Shaikh, N. (2019). *Rajjo Lekhi ain Kalhora Saltanat jo siyasi manzarnamo*. Sukkur: Mehran Publishers.

جام راھو: سندھ کے فیاض حکمران کا تاریخی جائزہ

خلاصہ

جام راھو، جو سما خاندان سے تعلق رکھتا تھا، سندھ کی تاریخ میں ایک فیاض اور نیک دل حکمران کے طور پر نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ دھیرک پرگنہ کا حاکم تھا، لیکن اس نے اپنی ریاست کو نہ صرف سیاسی طور پر مستحکم کیا بلکہ سماجی اور ثقافتی لحاظ سے بھی ایک شاندار مثال قائم کی۔ اس کے دور حکومت میں سخاوت، مہمان نوازی، اور عوامی خدمت جیسے اصول عام رہے، جس کی وجہ سے اسے *“داتار”* (عطا کرنے والا) کے لقب سے یاد کیا گیا۔ یہ مقالہ جام راھو کی سیاسی بصیرت، ادبی و صوفیانہ پہچان اور اس کے بعد قائم رہنے والے تعمیری ورثے کا اکیڈمک جائزہ پیش کرتا ہے۔

حکومتی وسعت اور سیاسی بصیرت

جام راھو نے اپنی حکومت کو شمال میں ’نارو‘، جنوب میں ’کھریو‘ اور مغرب میں ’بڈام‘ تک پھیلایا۔ یہ وسعت اس کی سیاسی حکمت عملی اور انتظامی صلاحیت کا واضح ثبوت ہے۔ اس کے دور حکومت میں امن، ترقی اور عوامی بھلائی پر خاص زور دیا گیا، جس کی وجہ سے مختلف

علاقوں کے لوگ اس کے دربار میں جمع ہونے لگے (Shaikh, 2019)۔

ادبی اور ثقافتی ورثہ

جام راھو کی فیاضی اور شخصیت کو صرف مؤرخین ہی نہیں بلکہ شعرا، بھٹوں اور صوفی بزرگوں نے بھی سراہا۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اپنے کلام میں جام راھو کا ذکر کرتے ہوئے اس کی مہمان نوازی اور خدمت خلق کی تعریف کی۔ یہ شاعری جام راھو کی نیک نیتی اور فیاضی کا زندہ ثبوت ہے، جو سندھ کی ادبی اور صوفی روایت میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا ہے (Mumtaz, 2021)۔

جانشین اور تعمیری ورثہ

جام راھو کے بعد اس کا بیٹا جام داسڑو تخت نشین ہوا، جس نے ’ناری پٹ‘ میں ایک عظیم قلعہ تعمیر کروایا۔ آج بھی اس قلعہ کے کھنڈر "شادی پلی اسٹیشن" کے قریب موجود ہیں، جو اس دور کی فنِ تعمیر اور سیاسی اثر و رسوخ کی علامت ہیں (Khoso, 2020)۔

تجزیاتی بحث

جام راھو کی شخصیت اور ورثے کا مطالعہ درج ذیل زاویوں سے کیا جا سکتا ہے:

1. **سیاسی زاویہ:** اس کی حکمرانی بصیرت اور انتظامی قابلیت کا مظہر تھی۔
2. **سماجی و ثقافتی زاویہ:** سخاوت، مہمان نوازی اور خدمت خلق نے اسے عوامی حکمران بنا دیا۔
3. **ادبی و صوفیانہ زاویہ:** شاہ لطیف کے کلام میں اس کا ذکر اس کے روحانی اور ثقافتی مقام کو ظاہر کرتا ہے۔
4. **تعمیراتی زاویہ:** جام داسڑو کے تعمیر کردہ قلعہ نے جام راھو کے دور کے سیاسی اور ثقافتی اثرات کو امر کر دیا۔

ان پہلوؤں سے جام راھو ایک ایسا حکمران سامنے آتا ہے جس نے سیاست اور انسانیت دونوں کو یکجا کر کے سندھ کی تاریخ میں امر مقام حاصل کیا۔

References

- Khoso, A. (2020). *Sindh ji siyasi tareekh: Saman jo dor*. Hyderabad: Sindh Historical Society.
- Mumtaz, M. (2021). *Shah jo Ganj (Jadeed Suratkhati)*. Karachi: Latif Academy.

- Shaikh, N. (2019). *Jam Rahu ain Sindh ji datari riwayat*. Sukkur: Mehran Publishers.

جادم جکرو: سما خاندان کا سخی حکمران

خلاصہ

یہ مضمون سندھ کی ایک تاریخی شخصیت **جادم جکرو** کا جائزہ پیش کرتا ہے، جو سما خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سیاسی اور ثقافتی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی شخصیت بالخصوص **سخاوت، حکمرانی اور نسلی تسلسل** کے حوالے سے نمایاں ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری میں جادم جکرو کا ذکر اس کی عوامی شہرت اور فیاضی کی علامت کے طور پر آتا ہے۔ یہ تحقیق محض تاریخی حوالوں تک محدود نہیں بلکہ اس میں **صوفیانہ فکر، سماجی اہمیت**

اور تقابلی تجزیے کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ نتیجتاً جادم جکرو کی شخصیت نہ صرف تاریخی روایت میں بلکہ سندھ کی لوک روایات اور ادب میں بھی مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

تمہید

سندھ کی تاریخ میں **سما خاندان** اپنی سیاسی حکمرانی اور ثقافتی ورثے کی وجہ سے اہم مقام رکھتا ہے۔ ان میں جادم جکرو ایک ایسی شخصیت ہے جو صرف حکمران اور سردار ہی نہیں بلکہ سخاوت اور عوامی خدمت کی وجہ سے بھی معروف رہا (Shaikh, 1983)۔ یہ مضمون جادم جکرو کی شخصیت کو تاریخی، ادبی اور سماجی حوالے سے پرکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

نسلی پس منظر

روایات کے مطابق جادم جکرو **سما خاندان** کا ایک سخی حکمران تھا۔ بعض ذرائع کے مطابق وہ سَمی (بڑا) کا بیٹا تھا جبکہ کچھ کے نزدیک وہ سام کا بیٹا تھا (Khatri, 1990)۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ سما خاندان کا آغاز دراصل جادم جکرو ہی سے ہوا (Mallah, 2002)۔

دارالحکومت اور جغرافیائی پس منظر

جادم جکرو **پاتار (یا پاتال)** نامی شہر کا رہائشی تھا، جہاں ایک مضبوط قلعہ بھی موجود تھا، اسی وجہ سے اسے **"گڑھ دھٹي"** کہا جاتا تھا (Qureshi, 1975)۔ موجودہ ضلع بدین میں ایسے کئی مقامات آج بھی پائے جاتے ہیں جو اس کے دارالحکومت سے منسوب ہیں۔

سخاوت اور عوامی شہرت

جادم جکرو کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو اس کی سخاوت تھی۔ اس کا خزانہ سائلوں اور فنکاروں کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا تھا، اسی لیے اسے **"رائے گنگا جر"** کہا جاتا تھا (Memon, 1988)۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے بھی اس کی سخاوت کو اپنے کلام میں سراہا ہے:

"جکرا! جیوے شال، تنھنجو ڪنين مدو م نه سٽان،
جيئن تو اچي ڪال، نالائق نوازيان۔"
(Shaikh, 1983, p. 1199)

یہ اشعار نہ صرف اس کی سخاوت کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ بھٹائی کے **صوفیانہ تصورِ فیاضی اور کرم** سے بھی جڑتے ہیں۔

نسل اور اولاد

روایات کے مطابق جادم جکرو کے چار بیٹے تھے: **ہسپت، گچپت، بھوبھت اور شورا سامان (رائے دیاچ)**۔ اس کی نسل سے ہی سما خاندان کا ارتقا ہوا۔ شورا سامان کی اولاد نے اپنے آپ کو **"سما"** کہنا شروع کیا۔ یہ نسلی شجرہ سندھ کی سیاسی اور قبائلی تاریخ میں نہایت اہمیت رکھتا ہے (Shaikh, 1983)۔

تجزیاتی بحث

جادم جکرو کی شخصیت کو **تین پہلوؤں** سے سمجھا جا سکتا ہے:

1. **سیاسی و قبائلی اہمیت:** اس کی حکمرانی اور قلعے پر کنٹرول نے سما خاندان کی طاقت اور اتحاد کو نمایاں کیا۔
2. **سماجی و ثقافتی کردار:** اس کی سخاوت اور عوامی خدمت نے اسے ایک مثالی حکمران بنا دیا۔
3. **ادبی و صوفیانہ پہلو:** شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام میں اس کا ذکر اسے صرف تاریخی نہیں بلکہ روحانی و ادبی دائروں میں بھی امر کر دیتا ہے۔

اس طرح جادم جکرو کو صرف ایک تاریخی شخصیت نہیں بلکہ **صوفیانہ اقدار اور سندھی سماجی روایت کی علامت** کے طور پر بھی دیکھنا ضروری ہے۔

نتیجہ

جادم جکرو سندھ کی تاریخ میں ایک ایسی شخصیت ہے جس کی شہرت سخاوت، حکمرانی اور نسلی تسلسل کے حوالے سے نمایاں رہی۔ اس کا ذکر نہ صرف تاریخی ذرائع میں ملتا ہے بلکہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری اور سندھی لوک روایت میں بھی پائیدار حیثیت رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے جادم جکرو کا مطالعہ **تاریخ، ادب اور تصوف** کے سنگم پر ایک اہم علمی موضوع ہے۔

References

- Khatri, A. R. (1990). *Sindh ji Tareekh ain Tahqiqat*. Karachi: Sindh Adabi Board.
- Mallah, S. (2002). *Sama Dynasty of Sindh*. Hyderabad: Sindh University Press.
- Memon, G. H. (1988). *Sindhi Lok Virso*. Jamshoro: Institute of Sindhology.
- Qureshi, I. A. (1975). *History of Sindh*. Karachi: Royal Book Company.

- Shaikh, A. (1983). *Shah jo Risalo: Critical Edition*. Hyderabad: Sindh University Press.

حاجی جوکھیو: سندھ کی آزادی کی جدوجہد کا ایک رہنما

تعارف

ارغونوں کی آمد سے لے کر انگریزوں کے قبضے تک سندھ کی مختلف مقامی برادریوں نے بیرونی حکمرانی کے خلاف مزاحمت کی۔ ان میں ٹھٹے اور ساکرو کے جوکھیو اور کرمتی قبیلے اپنی خودمختاری اور عزت کے تحفظ میں نمایاں رہے (Shaikh, 1990)۔

جوکھیو اور کرمتی قبائل کی جنگی حکمتِ عملی

ان قبائل کا جنگی انداز دوسرے سندھی قبائل کی طرح گوریلا طرز کا تھا۔ وہ حالات کے مطابق کبھی صلح کر لیتے، مگر جب موقع موافق ملندو، تو فوراً ہتھیار اٹھا کر میدان میں آجاتے۔ ان کے پاس تقریباً تین ہزار جنگجو ہمیشہ تیار رہتے تھے جو گھڑ سواری، تلوار بازی اور تیر اندازی میں خاص طور پر ماہر تھے (Mughal, 2001)۔

مغلوں کی تلوار اور بندوق کے مقابلے میں وہ تیر اندازی کو ترجیح دیتے تھے۔

سید بیازید بخاری اور حاجی جوکھیو

مغل دور میں سید بیازید بخاری ٹھٹے کا حاکم مقرر ہوا۔ اس وقت بجار جوکھیو اور بعد میں اس کا بیٹا حاجی جوکھیو قبیلے کے رہنما کے طور پر سامنے آئے۔ جوکھیے مغلوں کے ساتھ اپنی عزت و غیرت پر کبھی سمجھوتہ نہ کرتے تھے (Pathan, 1983)۔

ایک اہم واقعہ اس وقت پیش آیا جب سید بیازید نے اپنے رشتے دار شاہ محمد کو ناریلی قلعے کا تھانیدار مقرر کیا۔ شاہ محمد، جو دیگر مغل کارندوں کی طرح مغرور اور سخت مزاج تھا، نے ایک مجلس میں حاجی جوکھیو کی توہین کی۔ یہ بے عزتی جوکھیوں کے لیے ناقابلِ برداشت ثابت ہوئی اور وہ پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ مغلوں کی بار بار کی صلح کی کوششوں کے باوجود حاجی جوکھیو نے اعلان کیا کہ اب فیصلہ تلوار کرے گی۔ بالآخر جنگ چھڑ گئی، جس میں شاہ محمد اور اس کے ساتھی مارے گئے اور جوکھیوں نے مغلوں کے ہتھیار اور گھوڑے بھی اپنے ساتھ لے لیے (Qureshi, 1972)۔

مغلوں سے تصادم اور ناکہ بندی

اس بغاوت پر بیازید بخاری نے جوکھیوں کی سخت ناکہ بندی کا حکم دیا تاکہ انہیں اناج اور وسائل سے محروم کیا جا سکے۔ اگرچہ جوکھیوں نے وقتی

طور پر مغلوں سے صلح کر لی، لیکن تاریخی ذرائع کے مطابق ’’وہ آخر تک بغاوت سے باز نہ آئے‘‘ (Mazhar Shahjahani, 1670/1965)۔

نتیجہ

حاجی جوکھیو اور اس کا قبیلہ سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ انہوں نے نہ صرف سیاسی خودمختاری بلکہ عزت اور غیرت کے تحفظ کے لیے بھی مسلسل مغل اقتدار کو چیلنج کیا۔

References

- Mazhar Shahjahani. (1965). *Tarikh Mazhar Shahjahani* (Original work published 1670). Karachi: Sindhi Adabi Board.
- Mughal, M. A. (2001). *Sindh under the Mughals: Politics, Economy and Society*. Lahore: Ferozsons.
- Pathan, A. G. (1983). *Sindh ji Muqawamat*. Hyderabad: Sindh University Press.

- Qureshi, I. H. (1972). *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent*. Karachi: University of Karachi.
- Shaikh, A. M. (1990). *History of Sindh: From the Arghuns to the British*. Hyderabad: Sindhology.

مرید جت: سندھ کی غیرت کی تاریخی علامت

تعارف

مرید جت سندھ کی تاریخ کا ایک ایسا جری اور غیرتمند کردار ہے جس نے اپنے لوگوں کی عزت و ناموس کے دفاع کے لیے اپنی جان قربان کی۔ اس کی شہادت ترخان دور میں ہوئی، جب مرزا صالح اپنی سنگدلی، ظلم اور جبر کے باعث بدنام ہوچکا تھا (Ansari, 1983)۔

سیاسی پس منظر

1555ع میں مرزا شاہ حسن ارغون کی وفات کے بعد سندھ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا: سیہون سے اوپر کا علاقہ سلطان محمود کے قبضے میں گیا، جبکہ سیہون سے نیچے کا علاقہ مرزا عیسیٰ ترخان کو ملا۔ مرزا عیسیٰ کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں اختلاف ہوا، اور آخرکار مرزا صالح حکمران بنا۔ وہ اپنی سفاکی، بددیانتی اور عوام پر ظلم کے باعث بدنام ہوا (Khan, 1992)۔

ظلم اور بغاوت کے اسباب

مرزا صالح نے سندھ کے عوام پر سخت مظالم ڈھائے۔ اس نے بے گناہوں کو قتل کیا، بہت سوں کو قید میں ڈالا اور عورتوں کو زبردستی اپنے حرم میں داخل کیا۔ جب ایک سندھی خاندان نے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کیا تو مرزا صالح نے اس خاندان کے کئی افراد کو قتل یا قید کردیا۔ مرید جت، جو اس خاندان کا فرد تھا، اس وقت تجارت کے سلسلے میں گجرات میں موجود تھا۔

خبر ملتے ہی وہ فوراً ٹھٹہ واپس آیا اور بدلہ لینے کا عزم کیا (Shaikh, 2001)۔

مرید جت کا عزم اور قتل

تاریخ طاہری میں مذکور ہے کہ مرید جت کھلے عام گلیوں میں اعلان کرتا تھا: "*جب تک میں مرزا صالح کو بھری دربار میں قتل نہیں کروں گا، اس وقت تک سر پر پگڑی نہیں باندھوں گا۔*" (Nizamuddin, 1600/1975)۔ وہ تیز چھری ہاتھ میں لے کر اسے مخاطب کرتا اور اپنے دل کو مضبوط رہنے کی تلقین کرتا۔ لوگ اسے پاگل سمجھتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ غیرت اور عزم کی علامت تھا۔

بالآخر ایک دن، جب مرزا صالح اپنے محل جا رہا تھا، مرید فریادی کے بھیس میں اس کے قریب پہنچا۔ اس نے کاغذ میں لپٹی ہوئی چھری نکالی اور مرزا صالح کے پیٹ میں گھونپ دی۔ مرزا صالح موقع پر ہی مر گیا، جبکہ مرید جت بھی موقع پر شہید ہوگیا۔ اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا، مگر اس کا بہادر خون سندھ کی غیرت اور مزاحمت کی علامت بن گیا (Burton, 1877)۔

نتیجہ

مرید جت سندھ کی تاریخ کا وہ ہیرو ہے جس کی قربانی ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت کی روشن مثال ہے۔ اس کی شہادت نے سندھ کے لوگوں کو یہ سبق دیا کہ غیرت اور عزت کا راستہ صرف

مزاحمت □□□ اس کا مش□ور شعر آج بھی سندھ
کی لوک روایت میں زند□ □□:

"گھگھیلی ک□ گار س□، لگاؤں کاری گھاؤ،
مرزا صالح ماروں، اور ن□ کچھ کراؤں□"

References

- Ansari, A. (1983). *History of Sindh Resistance*. Karachi: Sindh Historical Society.
- Burton, R. (1877). *Sindh and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: Oxford University Press.
- Khan, H. (1992). *The Arghuns and Tarkhans in Sindh*. Hyderabad: Sindh University Press.
- Nizamuddin, M. (1600/1975). *Tareekh-i-Tahiri* (Trans. & Ed. M.H. Panhwar). Jamshoro: Institute of Sindhology.
- Shaikh, A. (2001). *Resistance Movements in Sindh*. Jamshoro: Sindh University Press.

جام ہیبت خان: سندھ کی آزادی کی جدوجہد کا ایک بہادر رہنما

تعارف

جام ہیبت خان سندھ کی تاریخ کا ایک ایسا دلیر رہنما تھا، جس نے آزادی کی خاطر اپنی جان قربان کی۔ ٹھلٹی کی جنگ آزادی (1520ع) کے بعد سندھی دوبارہ آزادی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ ارغون لشکر سان جھالار جي ميدان ۾ مھاڏو اٹکایو۔ اس جنگ میں سندھ کی فوج کے مقدمة الجیش (اگلے دستے) کی قیادت جام ہیبت خان نے کی (Khan, 1992)۔

نسب اور خاندانی پس منظر

جام ہیبت خان، جام صلاح الدین کا بیٹا، گجرات کے سلطان مظفر کا داماد اور جام سنجر کا پڑپوتا

تھا۔ سندھ کے سما حکمرانوں اور گجرات کے مظفری سلاطین کے درمیان سگاوتی رشتے تھے۔ سما چندرونشی راجپوت تھے جبکہ مظفری سلاطین سورج ونشی راجپوت تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے (Shaikh, 2001)۔

سگاوتی اور سیاسی تعلقات

پہلا سما حکمران جام جونو تھا، جس نے مظفری سلاطین کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کیے۔ جام جونو کی بیٹی کی شادی گجرات کے محمد شاہ سے ہوئی، جس سے مشہور بادشاہ محمود بیگڑا پیدا ہوا۔ محمود بیگڑا نے اپنی والدہ کی یاد میں ننگرپارکر میں ایک مسجد تعمیر کروائی، جس کے آثار آج بھی موجود ہیں (Burton, 1877)۔ ایسے سگاوتی رشتے سندھ اور گجرات کے درمیان سیاسی و سماجی تعلقات کو مزید مضبوط کرتے رہے۔

جھالار کی جنگ (1520ع)

جھالار کی جنگ کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ جام صلاح الدین کی بہن گجرات کے شاہی خاندان میں بیاہی گئی تھی۔ جام ہیبت خان بذاتِ خود گجرات کی سلطنت سے رشتے دار تھا۔ ایک نوجوان سپاہی کے طور پر وہ نہایت بہادر، دلیر اور وطن دوست تھا۔ جنگی صف بندی میں اُسے مقدمۃ الجیش (اگلے دستے) کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ اُس نے انتہائی شجاعت اور حب الوطنی کے ساتھ لڑتے ہوئے میدانِ جھالار میں جامِ شہادت نوش کیا (Ansari, 1983)۔

نتیجہ

جام ہیبت خان سندھ کی آزادی کی تحریک کا ایک علامتی اور بہادر کردار ہے۔ اس کی قربانی نے نہ صرف سندھ کے قومی شعور کو زندہ رکھا بلکہ آئندہ نسلوں میں بھی آزادی کے لیے جدوجہد کا جذبہ پیدا کیا۔

References

- Ansari, A. (1983). *History of Sindh Resistance*. Karachi: Sindh Historical Society.
- Burton, R. (1877). *Sindh and the Races that Inhabit the Valley of the Indus*. London: Oxford University Press.
- Khan, H. (1992). *The Arghuns and Tarkhans in Sindh*. Hyderabad: Sindh University Press.
- Shaikh, A. (2001). *Sammas and Their Relations with Gujarat*. Jamshoro: Institute of Sindhology.

شہید پیر صبغت اللہ شاہ راشدی: برطانوی نوآبادیاتی راج کے خلاف مسلح جدوجہد

خلاصہ

پیر صبغت اللہ شاہ راشدی، جو عام طور پر سُورہیہ بادشاہ کے نام سے جانے جاتے ہیں، بیسویں صدی کے اوائل میں جنوبی ایشیا کے ایک اہم انقلابی رہنما کے طور پر اُبھرے۔ صرف 12 برس کی عمر میں پگارو خاندان کے تخت پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے شاہی مراعات کو رد کرتے ہوئے برطانوی نوآبادیاتی راج کے خلاف مسلح مزاحمت

کا علم بلند کیا۔ "حر تحریک" کے ذریعے راشدی نے ہزاروں پیروکاروں کو منظم گوریلا جنگ کے لیے تیار کیا، جس نے سندھ اور برصغیر کی آزادی کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ مقالہ ان کی زندگی، سیاسی فلسفہ، عسکری تنظیم اور شہادت کا جائزہ لیتا ہے اور انہیں جنوبی ایشیا کی نوآبادیاتی مخالف تحریکوں کے وسیع تاریخی تناظر میں رکھتا ہے۔

تعارف

جنوبی ایشیا کی برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کی تاریخ کئی انقلابی شخصیات سے بھری پڑی ہے، جن کے کردار مرکزی تاریخی بیانیوں میں کم نمایاں ہیں۔ ان میں پیر صبغت اللہ شاہ راشدی (سُورہیہ بادشاہ) اپنی بے مثال مسلح مزاحمت، سماجی و سیاسی اصلاحات اور عوامی تحریک کی قیادت کے باعث ممتاز ہیں۔ قید، جلاوطنی اور بالآخر پھانسی کی سزا کے باوجود، حر تحریک میں ان کی قیادت مذہبی اصولوں، مقامی حکمرانی اور انقلابی عمل کا سنگم پیش کرتی ہے۔

تاریخی پس منظر

برطانوی نوآبادیاتی انتظام سندھ میں انیسویں صدی کے وسط میں قائم ہوا، جس نے مقامی وڈیروں، جاگیرداروں اور قبائلی سرداروں کے ساتھ اتحاد کر کے اپنی حکمرانی کو مضبوط کیا (انصاری، 1992)۔ اس سے قبل حر بغاوتیں، جیسے 1863 اور 1890 میں، برطانوی راج کے

خلاف مسلح مزاحمت کی مثالیں پیش کر چکی تھیں (غنی، 1978)۔ راشدی 1921 میں پگارو کے تخت پر بیٹھے، جب پورے برصغیر میں قومی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔

اس وقت سندھ کی سماجی و سیاسی ساخت پر زمین داروں اور قبائلی سرداروں کا قبضہ تھا، جو اکثر برطانوی انتظامیہ کے ساتھ مل کر اپنے مفادات حاصل کرتے تھے، جبکہ عام عوام معاشی اور سماجی ظلم کا شکار تھے (ٹالبٹ، 1998)۔ راشدی کا برطانوی حکام کے ساتھ تعاون نہ کرنا اس طاقتور نظام کے لیے براہِ راست چیلنج تھا۔

انقلابی قیادت اور سیاسی فلسفہ

پیر صبغت اللہ شاہ راشدی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی قیادت کا امتزاج تھے۔ امام حسین (ع) کی شہادت سے متاثر ہو کر انہوں نے ظلم کے خلاف مزاحمت کو ذاتی طاقت پر فوقیت دی۔ انہوں نے برطانوی حکومت کی طرف سے دیے گئے القاب اور انعامات کو کھلے عام رد کیا اور اعلان کیا کہ جائز حکمرانی عوام کے پاس ہونی چاہیے اور ان کی وفاداری صرف خدا کے ساتھ ہے۔ (راشدی، 1980)۔

ان کی حکمتِ عملی میں عوامی تحریک اور منظم مسلح تنظیم دونوں پر زور تھا۔ انہوں نے ایک متوازی انتظامی نظام قائم کیا، جس میں نجی عدالتیں، ٹیکس وصولی اور تنازعات کا حل شامل تھا، جو براہِ راست برطانوی اداروں کِ اختیار کو چیلنج کرتا تھا۔

حر تحریک

حر تحریک، جو راشدی کی قیادت میں چلائی گئی، ایک منفرد نوآبادیاتی مخالف جدوجہد تھی، جس میں مسلح بغاوت، منظم بھرتی اور گوریلا حکمتِ عملیاں شامل تھیں۔ 1937 سے شروع ہو کر، راشدی نے تقریباً 13,500 پیروکاروں کو فوجی تربیت دی۔ حر برطانوی ڈھانچے، ٹیلیگراف لائنوں، ریلوے اسٹیشنوں اور پولیس چوکیوں پر حملے کرتے رہے، جس سے سندھ میں برطانوی انتظام سخت متاثر ہوا (غنی، 1978)۔

برطانوی حکومت نے جواب میں نگرانی، گرفتاری اور قانونی پابندیاں بڑھا دیں، اور 1942 میں سندھ اسمبلی نے "حر ایکٹ" منظور کیا، جس کے تحت حر کو بغیر الزام کے قید کیا جا سکتا تھا۔ صورتحال کی شدت کے باعث سندھ میں مارشل لا نافذ کیا گیا، جو راشدی کی قیادت کے خطرے کو ظاہر کرتا ہے (ٹالبٹ، 1998)۔

قید اور بین الاقوامی روابط

1930 میں راشدی کو جھوٹے الزامات پر گرفتار کیا گیا اور دس سال قید کی سزا دی گئی۔ انہیں مختلف بھارتی جیلوں میں منتقل کیا گیا، جن میں کلکتہ کی علی پور جیل بھی شامل تھی۔ قید کے دوران انہوں نے بھارتی قومی رہنماؤں سے ملاقات کی، جن میں سُبھاش چندر بوس بھی شامل تھے، جس سے ان کی مسلح جدوجہد کے لیے عزم مزید مضبوط ہوا (بوس، 1945)۔ یہ

ملاقاتیں ان کی سیاسی سوچ اور حکمتِ عملی کو سندھ سے باہر بھی مؤثر بناتی ہیں۔

شہادت اور ورثہ

20 مارچ 1943 کو، راشدی کو حیدرآباد مرکزی جیل میں پھانسی دی گئی۔ وہ 34 برس کی عمر میں شہادت قبول کر گئے اور معافی مانگنے سے انکار کیا۔ ان کی شہادت نے حر تحریک کو مزید جوش دیا اور ایک ایسا ورثہ چھوڑا، جو بہادری، اصولی قیادت اور نوآبادیاتی ظلم کے خلاف بے مثال مزاحمت کی علامت ہے۔ آزادی کی جدوجہد میں ان اور حر کے کردار کو اب تک تاریخی بیانیوں میں کم نمایاں کیا گیا ہے (راشدی، 1980؛ انصاری، 1992)۔

نتیجہ

پیر صبغت اللہ شاہ راشدی (سُورہیہ بادشاہ) جنوبی ایشیا کے ایک ایسے انقلابی رہنما تھے، جنہوں نے مذہبی الہام، سیاسی بصیرت اور عسکری تنظیم کو یکجا کر کے برطانوی راج کو چیلنج کیا۔ حر تحریک میں ان کی قیادت نے سندھ میں برطانوی اختیار کو کمزور کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور برصغیر کی آزادی کی تحریک میں حصہ ڈالا۔ ان کی زندگی اور شہادت اصولی، عوامی مزاحمت کی علامت ہے اور تاریخی تحقیق میں مزید توجہ کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہے۔

حوالہ جات

- انصاری، سہ (1992). *برطانوی راج کہ تحت سندھ کی تاریخ*. کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریسہ
- بوس، سہ چہ (1945). *ہندوستانی جدوجہد: 1920–1942*. کلکتہ: فرما کہ ایل ایم پرائیویٹ لمیٹڈہ
- غنی، عہ (1978). *سندھ کہ حر: تاریخ اور بغاوت*. کراچی: سندھ ہسٹاریکل سوسائٹیہ
- راشدی، صہ پہ (1980). *پیر صبغت اللہ شاہ راشدی: ایک انقلابی رہنما کی یادداشتیں*. حیدرآباد: لوکل ہسٹاریکل پریسہ
- ٹالبٹ، آئیہ (1998). *صوبائی سیاست اور قوم پرستی: برطانوی دور میں سندھ*. کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریسہ

ہیمو کالانی: برطانوی ہندوستان میں نوجوان مزاحمت اور انقلابی قربانی

خلاصہ

ہیمو کالانی (1924–1943) برصغیر کی آزادی کی جدوجہد کا ایک غیر معمولی اور تاریخی کردار ہے، جو خاص طور پر سندھ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر تاریخ میں نسبتاً کم اجاگر ہوا۔ صرف انیس برس کی عمر میں برطانوی سامراج کے ہاتھوں پھانسی پانے والا ہیمو کالانی نوجوان مزاحمت، انقلابی جرات اور بے مثال حب الوطنی کی علامت بن گیا۔ یہ تحقیقی مضمون 1940 کی دہائی میں برطانوی راج کے تاریخی پس منظر، سندھ میں سامراج مخالف تحریکوں، اور ”ہندوستان چھوڑو“ تحریک کے تناظر میں ہیمو کالانی کے کردار کا

جائزہ پیش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے مقدمے، پھانسی اور تاریخی ورثے کو بھی علمی انداز میں جانچا گیا ہے۔

تعارف

1940 کی دہائی کے آغاز میں برصغیر شدید سیاسی بے چینی، معاشی استحصال اور برطانوی سامراج کے خلاف بڑھتی ہوئی مزاحمت کا مرکز بن چکا تھا۔ آزادی کی جدوجہد کی تاریخ عموماً بڑے قومی رہنماؤں پر مرکوز رہی ہے، مگر اس تحریک میں متعدد نوجوان انقلابیوں نے بھی مقامی سطح پر فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ انہی میں سے ایک ہیمو کالانی تھا، جو سکھر، سندھ سے تعلق رکھتا تھا۔ برطانوی فوجی ڈھانچے کے خلاف اس کی مزاحمتی کارروائی اور اس کے نتیجے میں دی گئی سزا نوآبادیاتی اقتدار کے خلاف نوجوانوں کی غیر معمولی جدوجہد کی عکاسی کرتی ہے۔

تاریخی پس منظر: سندھ میں برطانوی راج اور مزاحمت

1942 تک برطانوی ہندوستان دوسری عالمی جنگ کے اثرات کی لپیٹ میں تھا۔ نوآبادیاتی حکومت نے جنگی ضروریات کے لیے وسائل کی بے رحمانہ لوٹ مار کی، سخت قوانین نافذ کیے اور عوام پر بھاری معاشی بوجھ ڈالا۔ یہ پالیسیاں

خاص طور پر سندھ جیسے علاقوں میں محنت کشوں، کسانوں اور متوسط طبقے کے لیے نہایت نقصان دہ ثابت ہوئیں۔

اگست 1942 میں مہاتما گاندھی کی قیادت میں شروع ہونے والی ”ہندوستان چھوڑو“ تحریک نے پورے برصغیر میں عوامی بغاوت کو جنم دیا۔ اسی دوران سندھ میں بھی قوم پرستانہ اور انقلابی سوچ کو تقویت ملی، جس میں حر تحریک اور دیگر مزاحمتی دھاروں کا نمایاں کردار تھا۔ یہی ماحول نوجوان ہیمو کالانی کے سیاسی شعور کی تشکیل کا باعث بنا۔

ابتدائی زندگی اور سیاسی شعور

ہیمو کالانی 11 مارچ 1924 کو پرانے سکھر، سندھ میں ایک متوسط طبقے کے گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کے والد پیسو مل پیشے کے اعتبار سے ٹھیکیدار تھے۔ گرفتاری کے وقت ہیمو کالانی میٹرک کا طالب علم تھا، مگر اس کا سیاسی شعور اور قومی آگہی اس کی عمر سے کہیں زیادہ پختہ تھی۔

وہ آزادی پسند کارکنوں کے قریب تھا اور سامراج مخالف نظریات سے گہرے طور پر متاثر تھا۔ اس کے اندر آزادی کے لیے بے پناہ جذبہ، قربانی کا حوصلہ اور قومی ذمہ داری کا احساس نمایاں تھا۔

ریلوے سبوتاژ کی کوشش

23 اکتوبر 1942 کی رات ہیمو کالانی اور اس کے ساتھیوں کو اطلاع ملی کہ برطانوی فوجیوں سے بھری ایک خصوصی ٹرین سکھر سے گزرنے والی ہے۔ انہوں نے اس ٹرین کو سامراجی ظلم کی علامت سمجھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ ریلوے لائن کو نقصان پہنچا کر اسے پٹری سے اتار دیا جائے۔

ریلوے ٹریک کو اکھاڑنے کی کوشش کے دوران ہیمو کالانی کو سپاہی فیروز خان نے گرفتار کر لیا، جبکہ اس کے دیگر ساتھی فرار ہو گئے۔ یہی گرفتاری اس کی جدوجہد کا فیصلہ کن موڑ ثابت ہوئی۔

مقدمہ، تشدد اور بے مثال جرات

گرفتاری کے بعد ہیمو کالانی کو شدید جسمانی اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اسے سخت سردی میں برہنہ رکھا گیا، کوڑے مارے گئے اور تپتی ہوئی لوہے کی سلاخوں سے داغا گیا، مگر اس نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہ کیں۔

کورٹ مارشل کے دوران اس نے بے خوفی سے اعتراف کیا کہ اس کا مقصد برطانوی فوجی ٹرین کو تباہ کرنا تھا۔ یہ بیان کسی ندامت کا اظہار

نہیں بلکہ انقلابی یقین اور نظریاتی وابستگی کی علامت تھا۔ تقریباً تین سال تک جاری رہنے والے مقدمے کے بعد اسے پھانسی کی سزا سنائی گئی، جو اس کم عمر نوجوان کے لیے غیر معمولی اور سخت فیصلہ تھا۔

معافی کی پیشکش کے باوجود ہیمو کالانی نے اسے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ سامراج سے معافی مانگنا اپنے ضمیر اور وطن سے غداری کے مترادف ہے۔

پھانسی اور شہادت

21 جنوری 1943 کو ہیمو کالانی کو پھانسی دے دی گئی۔ تاریخی روایات کے مطابق اس نے انتہائی سکون اور استقامت کے ساتھ موت کو قبول کیا اور اسے آزادی کے لیے عظیم قربانی قرار دیا۔

ہیمو کالانی کی شہادت نے اسے سندھ اور پورے برصغیر میں آزادی کی جدوجہد کی ایک علامتی شخصیت بنا دیا۔ اسے برطانوی راج کے ہاتھوں پھانسی پانے والے کم عمر ترین انقلابیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ورثہ اور تاریخی اہمیت

ہیمو کالانی کا ورثہ آج بھی سندھ اور ہندوستان میں یادگاروں، ادب اور تاریخی تحریروں کے ذریعے زندہ ہے۔ اس کی زندگی اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ سامراجی جبر نے کس طرح نوجوانوں کو انقلابی راستے اختیار کرنے پر مجبور کیا اور یہ کہ عمر قربانی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی۔

مورخین اور محققین کے مطابق ہیمو کالانی جیسے کردار آزادی کی تحریک کی تاریخ کو نئے زاویے سے دیکھنے پر مجبور کرتے ہیں، جہاں جدوجہد صرف بڑے رہنماؤں تک محدود نہیں بلکہ عام اور نوجوان افراد کی قربانیوں سے مکمل ہوتی ہے۔

نتیجہ

ہیمو کالانی اس نسل کا ضمیر تھا جس نے سامراجی غلامی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی زندگی، مقدمہ اور شہادت آزادی کی قیمت اور نوجوانوں کے کردار کو نمایاں کرتے ہیں۔ ایسے کرداروں کو تسلیم کیے بغیر آزادی کی جدوجہد کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی، خصوصاً سندھ جیسے خطوں کے تناظر میں۔

References

- Jalal, A. (1995). *Democracy and Authoritarianism in South Asia*. Cambridge University Press.
- Metcalf, B. D., & Metcalf, T. R. (2012). *A Concise History of Modern India*. Cambridge University Press.
- Talbot, I. (2009). *Pakistan: A Modern History*. Hurst & Company.
- Keay, J. (2010). *India: A History*. HarperCollins.
- Sindhi Adabi Board. (Various editions). *Freedom Movement in Sindh* (in Sindhi). Jamshoro.
- Khoso, A. (n.d.). Essays on Sindhi Martyrs and Nationalism. Hyderabad, Sindh.

مائی بختاور شہید: سندھ کی کسان تحریک کی پہلی خاتون شہید

خلاصہ

یہ مضمون سندھ کی تاریخ میں ایک اہم شخصیت، مائی بختاور شہید، کی جدوجہد اور شہادت پر روشنی ڈالتا ہے۔ مائی بختاور تعلقہ عمرکوٹ کے گاؤں ہیدی لاشاری سے تعلق رکھتی تھیں۔ 1947 میں انہوں نے پنجابی زمینداروں کے ظلم کے خلاف بہادری سے مزاحمت کی اور کسانوں کے حقوق کے لیے اپنی جان قربان کی (Jatoi, 1947)۔ ان کی شہادت سندھ کی کسان تحریک میں خواتین کے کردار اور دیہاتی سیاسی

شعور کو اجاگر کرتی ہے (Shaikh, 1985)۔ یہ تحقیق کسان تحریک کے تاریخی پس منظر، مائی بختاور کی قربانی اور اس کے طویل المدتی سماجی اور سیاسی اثرات کا جائزہ پیش کرتی ہے۔

تعارف

سندھ کی کسان تحریک خطے کی سماجی اور سیاسی تاریخ میں اہم مقام رکھتی ہے (Shaikh, 1999)۔ 1930 کے بعد، کسانوں اور سیاسی رہنماؤں نے زمینداروں کے خلاف تحریکیں شروع کیں، جن کا بنیادی مطالبہ زمین کی منصفانہ تقسیم یعنی "آدھی پیداوار" تھا (Ansari, 1992)۔ اس تحریک میں کئی رہنماؤں اور کسانوں نے حصہ لیا، جن میں مائی بختاور کا نام عزت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے (Jafri, 2010)۔ وہ نہ صرف ایک خاتون کے طور پر مزاحمت کر رہی تھیں بلکہ ان کی قربانی نے سندھ کے کسانوں کے لیے ایک مثال قائم کی (Shaikh, 1985)۔

تاریخی پس منظر

1930 میں جی. ایم. سید، جیتھمل پرسرام، اور جمشید نسروانجی سمیت کئی رہنماؤں نے میرپورخاص میں سندھ ہاری کمیٹی قائم کی (Jatoi, 1947)۔ اس کمیٹی کا مقصد کسانوں کے لیے اقتصادی اور سماجی انصاف حاصل کرنا تھا (Ansari, 1992)۔ جب کامریڈ حیدر بخش جتوئی

نے سرکاری نوکری چھوڑ دی، تو انہوں نے کسان تحریک کو نیا جوش دیا (Shaikh, 1999)۔ اس وقت کسانوں کا اہم مطالبہ زمینداروں سے آدھی پیداوار حاصل کرنا تھا (Talpur, 2007)۔ یہ تحریک جلد سندھ بھر میں پھیل گئی اور اس کے اثرات تھرپارکر اور عمرکوٹ تک پہنچے (Laghari, 2005)۔

مائی بختاور کی شہادت

مائی بختاور، جو گاؤں ہیدی لاشاری میں رہتی تھیں، 22 جون 1947 کو پنجابی زمینداروں کی فائرنگ سے شہید ہو گئیں (Jatoi, 1947; Chandio, 2012)۔ جب گاؤں کے مرد کسان کانفرنس میں شریک ہونے گئے، تو زمیندار گاؤں کے اناج پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنے لگے (Shaikh, 1985)۔ مائی بختاور، دیگر خواتین کے ساتھ، نے انہیں روکا اور لوہے کی لاٹھی سے مقابلہ کیا (Jafri, 2010)۔ زمینداروں کی فائرنگ میں وہ شہید ہو گئیں اور ایک معمر فقیر زخمی ہوا (Shaikh, 1999)۔ اس واقعے نے کسان تحریک میں نئی روح پھونکی۔

عدالتی کارروائی

مائی بختاور کی شہادت کے بعد کیس میرپورخاص کے سیشن کورٹ میں درج ہوا۔ سندھ ہاری کمیٹی کے وکیل دیوان انبارام نے کیس کی پیروی کی (Ansari, 1992)۔ عدالت نے زمیندار چوہدری سعداللہ کو 25 سال، چوہدری خالد کو 20 سال اور دیگر ملزمان کو پانچ سے دس سال

قید کی سزا دی (Talpur, 2007)۔ یہ فیصلہ سندھ میں کسانوں کے حقوق اور انصاف کے لیے ایک تاریخی پیش رفت تھی (Laghari, 2005; Chandio, 2012)۔

سماجی اور سیاسی اثرات

مائی بختاور کی شہادت نے سندھ کی خواتین میں سیاسی شعور پیدا کیا اور کسانوں میں جدوجہد کا نیا جذبہ بھرا (Jafri, 2010)۔ ان کی قربانی نے یہ ثابت کیا کہ خواتین بھی اپنے حقوق کے لیے جان دینے سے گریز نہیں کرتیں (Shaikh, 1999)۔ ان کی شہادت نے کسان تحریک کو نئی توانائی دی اور سندھ کے عوام کے لیے مزاحمت کی علامت بن گئی (Jatoi, 1947; Talpur, 2007)۔

نتیجہ

مائی بختاور سندھ کی کسان تحریک کی پہلی خاتون شہید کے طور پر جانی جاتی ہیں، جنہوں نے زمینداروں کے ظلم کے خلاف بے مثال مزاحمت کی (Ansari, 1992; Shaikh, 1985)۔ ان کی قربانی یہ تاریخی سبق دیتی ہے کہ انسان اپنے حقوق کے لیے اپنی جان دے سکتا ہے لیکن اپنے حق کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے (Talpur, 2007; Jafri, 2010)۔ مائی بختاور کا نام سندھ کی

تاریخ میں □میش□ زند□ ر□□ گا (Chandio, 2012; Laghari, 2005)□

References

- Jatoi, H. B. (1947). *Sindh Hari Committee Records*. Sindh Archives, Karachi.
- Shaikh, A. (1985). *Peasants Movement in Sindh*. Hyderabad: Sindhica Academy.
- Ansari, S. (1992). *Sindhi Nationalism and Politics in Pakistan*. London: Routledge.
- Shaikh, G. M. (1999). *History of Peasant Struggles in Sindh*. Jamshoro: University of Sindh Press.
- Talpur, M. (2007). *Land, Power and Sindh*. Karachi: Oxford University Press.
- Jafri, F. (2010). *Women in Sindh's Political Movements*. Karachi: Sindh Development Society.
- Laghari, G. M. (2005). *Historical Accounts of Sindh Peasantry*. Hyderabad: Sindh University Press.

- Chandio, R. (2012). *Struggle of Sindhi Peasants against Zamindars*. Jamshoro: Institute of Sindhology.